پتھر کے پھول

اظہار اثر

(قیمت تین روپے)

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

بار اول ایک ہزار

اگست ۱۹۵۶ء

جہاں گیر بک ڈپو۔ کھاری باؤلی دہلی

(مطبوعہ:- محبوب المطابع دہلی)

"ن" کے نام!

جس کی سیمابی فطرت نے مجھے
کئی کہانیوں کے پلاٹ بخشے ہیں۔

اظہار اثر

اب تک نہ کم ہوئی تری اللہ رے سنگدلی

مرقد پہ بھی چڑھائے تو پتھر کے پھول آج

نظامی

اظہار خیال

تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔ مگر زمانہ کا کچھ دستور ایسا ہو گیا کہ مصنف اپنی تصنیف لیے لیے پھرتا ہے کہ کوئی علم داں آدمی اس پر اپنی رائے کا اظہار بطور پیش لفظ کرے۔ دستور کی پابندی ہے، جو آج مجھے یہ کام انجام دینا پڑ رہا ہے۔ کہاں میں کہاں ناولوں پر تبصرہ، مگر بھائی اظہار اثر صاحب سے میرے قلبی تعلقات مجھے مجبور کرتے ہیں کہ میں کچھ سیدھی سچی باتیں پیش نظر ناول کے لئے لکھوں۔

ناول نویسی کی ابتدا اردو ادب میں مولانا نذیر احمد مرحوم سے کی اور وہ اس کے موجد قرار دیئے گئے۔ مگر مرور زمانہ کے ساتھ اس کی نہج میں عجیب و غریب تبدیلیاں ہوتی چلی جا رہی ہیں جن میں سے کچھ معیوب بھی ہیں۔ اور کچھ مستحسن بھی۔ بھائی اظہار نے بہت سے ناول لکھے اور بہت لوگوں نے ان کی محنت کو سراہا۔ اپنے بھائی کی منہ بولی تحریر و تصنیف کے کچھ نمونے بھی میری نظر سے گذرے۔ میں نے بالاستیعاب ان کا مطالعہ کیا اور ان کو ایسے لوگوں کے لئے بھی دلچسپ پایا جو ناول بینی کے شوقین صرف اس وجہ سے ہیں کہ موجودہ ناول نویس حضرات مبتذل خیالات کو صفحہ قرطاس پر لا کر صرف لوگوں کے ان جذبات کو ابھارتے ہیں جن کا ابھار لازماً ہمارے معاشرتی حالات کو بد سے بدتر کر دیتا ہے اور ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ کتاب زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں پہنچے۔ یہ صورت حال ہر ذی فہم کی نظر میں کیا مقام رکھتی ہے یہ آپ بھی جانتے ہیں۔

بھائی اظہار نے بھی وقت کی روش کو پہچان کر کچھ اس قسم کے ناول لکھے مگر شکر ہے کہ بروقت انہوں نے صحیح راستہ پر آنے کی کوشش کی اور کوشش بھی وہ کوشش کامیاب ہے اور آپ کے سامنے ہے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ اگر اس قسم کے چند ناول

ان کے قلم سے اور نکل گئے تو یہ نوجوان پٹھانی ادبی دنیا میں بہت اونچا مقام حاصل کر لیں گے اور کوئی وجہ نہیں کہ ان کے ناول اس طرح مقبول نہ ہوں جس طرح مشہور و معروف مصنفین کے ناول مقبول ہیں۔

ناول کو جذباتی بنا دینا بہت آسان ہے، مگر اصلاحی بنانا اور وہ بھی گہرے تاثرات کے ساتھ ایک اہم کام ہے۔ زیر نظر ناول میں جہاں آپ کو جذبات کی گونا گوں نیرنگیوں کی جھلکیاں ملیں گی وہاں آپ کو یہ طنز اصلاحی خیالات کا آئینہ دار بھی معلوم ہوگا۔ بگڑی بات کڑوی ہوتی ہے مگر کامیاب مصنف وہ ہے جو سچی بات اس صورت سے پیش کرے کہ دلچسپی اور نیرنگی دونوں اپنی کیفیتوں کے ساتھ اس مقام پہ ہوں جہاں ان کو ہونا چاہیئے۔ ہماری معاشرتی زندگیاں سرمایہ داری اور غربت کے ہاتھوں کس طرح سسک سسک کے دم توڑ رہی ہیں ان کی اصلی تصویر جو زیر نظر بھی ہے موجودہ ناول میں آپ کو ملے گی۔ یہ ناول پڑھ کر آپ کو معلوم ہوگا کہ محبت کتنی معصوم ہوتی ہے حسن کتنا لاپرواہ ہوتا ہے۔ امیری محبت کو کچلنے کیلئے کیسی کیسی پرفریب چالیں چلتی ہے۔ محبت کس طرح ان حملوں کو رد کرتی ہے۔ عورت کس طرح اپنے حسن کے جال میں مرد کو پھنسا کر بیوقوف بناتی ہے اور اس طرح محبت کا مذاق اڑا کر دنیا کو یہ بتاتی ہے کہ حسن کے قدموں میں دانستہ یا غیر دانستہ سب کچھ قربان کر دینے کے باوجود کامیابی کی جھلک موہوم ہی رہتی ہے۔ ہمالیے اس معاشرتی نقص کو پیش کرنے کے بعد ہی اصلاحی کردار سامنے آتا ہے اور یہ بھی حسین، دلفریب مگر تضاد کے ساتھ ایک حسن نے محبت کو ٹھکرایا دوسرے حسن نے محبت کو سر چڑھایا، مگر نقش اول کی اہمیت کو جس طرح محبت سمجھ پاتی ہے حسن نہیں سمجھتا اس لئے نقش ثانی باوجود خلوص و صداقت کے اثرات کے اعتبار سے محبت کو اپنی طرف کھینچ تو لیتا ہے مگر قریب آ کر محبت نقش اول کی طرف پھر لوٹ پڑتا ہے اور کئی دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے مگر استقامت اپنا

رنگ دکھا کر نقشِ ثانی کو کامیاب کر دیتی ہے اور نقشِ اول اپنی نیرنگیوں کو موت کی اندھیرے میں گم ہوتے ہوئے دیکھ کر سنبھلنے کی کوشش کرتا ہے مگر بہت دیر کے بعد اور اس کا حسرتناک انجام نقشِ ثانی کو ابھار کر اس کو اس کا اصلی مقام دلاتا ہے۔

زیرِ نظر ناول اسلئے بھی دلچسپ ہے کہ اس میں معاشرتی کمزوری کی تلخ تصویر کے ساتھ ساتھ رنگینیاں اپنی حاشیہ آرائی اس طرح کرتی دکھائی دیتی ہیں کہ مجموعی حیثیت سے یہ مرقع حسین دکھائی دینے لگتا ہے اور یہ قابلِ قدر مصنف کی کامیابی کی بہت بڑی دلیل ہے۔

طرزِ نگارش کے متعلق صرف میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اگر مصنف کا قلم اس کے رائی الضمیر کی ترجمانی کرنے میں کامیاب ہے تو اس کی طرزِ نگارش کامیاب ہے۔ اس کے برعکس اگر قلم گونگا ہے تو مضمون بے ڈھب ہوگا اور ضرور ہوگا۔ آپ "پتھر کے پھول" میں بھائی کے اظہار کی قلمی قوت کا اندازہ خود ہی لگا پائیں گے۔ مشک آن است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

رہا زبان کا سوال جو میری نظر میں سب سے زیادہ اہم ہے تو میں صفائی سے کہنے کیلئے تیار ہوں۔ آپ مانیں یا نہ مانیں کہ جتنے اونچے خیالات ہیں اتنے اونچے الفاظ نہیں ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ موٹے موٹے مشکل الفاظ استعمال کئے جاتے بلکہ یہ کہ زبان کی چاشنی ہے تو ضرور مگر اس پیمانہ پر نہیں ہے جس پر ہونی چاہئے تھی۔ اس سے یہ بھی نہ سمجھ لیا جائے کہ مصنف بھائی اس پر قادر نہیں بلکہ یہ کہا جائے تو مناسب ہوگا کہ زبان کی طرف توجہ دینے کا دستور ہی نہ رہا اور اس کا شکار ہمارے بھائی آغا بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کا بھی کیا قصور ہے۔ سنہ ۱۹۴۷ء کے بعد دنیا ادھر سے اُدھر ہو گئی، اُدھر سے اِدھر ہو گئی۔ تہذیب بیچاری کونے میں منہ چھپا کر بیٹھ گئی اور یہی حال زبان کا ہوا۔ پہلے دہلی میں دہلی والے تھے، یوپی میں یوپی والے جن کی تہذیبیں مشترک، زبان مشترک، رہن سہن مشترک، مگر اب تو دیوار بیچ کئی کئی تہذیبیں اور کئی کئی زبانیں موجود ہیں۔ ایک دوسرے سے مل کر دونوں کا روپ ختم ہو گیا۔

تو ہاں میں یہ عرض کر رہا تھا کہ زبان کے لحاظ سے پیش نظر ناول کا اگر اس کے اونچے خیالات سے موازنہ کیا جائے تو ذرا نیچے ہے۔ آئندہ بھائی اظہار سے دلی زبان سے عرض کروں گا کہ دہلی ہی رہ کر دہلی والوں کی زبان ہی استعمال فرمائیں تاکہ ان کے اونچے خیالات پر زبان کی شیرینی سہاگے کا کام کرے اور ان کی تصنیف چمک دمک میں کندن بن جائے۔ اور اس طرح وہ زبان کی ایک اہم خدمت کا فریضہ بھی انجام دے پائیں گے۔

غرض کہ مجموعی حیثیت سے ان کی کوشش پوری طرح قابل قدر ہے اور ہمارے نئے دور کے روشن خیال نوجوانوں کے لئے خضر راہ ہے اور یہ اثر اس لئے ہے کہ بھائی اظہار نے لکھی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ حقیقت ہے اور بھلا حقیقت میں اثر کیوں نہ ہو جب کہ حقیقی اثر کے مالک بھائی اظہار اثر ہیں۔

آخر میں اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ اس ناول کو پڑھنے کے بعد ہی نہ چھوڑ دیجئے بلکہ کم از کم دو مرتبہ پڑھئے تاکہ آپ کے ذہن پر اس کے نقوش گہرے ہو جائیں۔

مسلم نظامی ایم اے

باب ۱

ایرپورٹ کے کانٹین سے باہر لگے ہوئے لاؤڈ اسپیکر نے اعلان کیا:
"پانچ منٹ بعد جہاز پرواز کر رہا ہے اس لیے تمام مسافر اپنی نشستوں پر پہنچ جائیں۔"

پندرہ منٹ سے کافی کا کپ بھرا ہوا اس کے سامنے رکھا تھا اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے خیالات میں گم تھا۔ اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ بیرا کب کافی کا کپ اس کے سامنے رکھ گیا ہے۔

لاؤڈ اسپیکر کی آواز نے اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ جلدی سے اس نے کپ اٹھا کر ایک گھونٹ بھرا۔ لیکن کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس لیے اس نے کپ اسی طرح واپس رکھ دیا۔ میز پر رکھا ہوا اپنا چھوٹا سا سفری سوٹ کیس اٹھایا کاؤنٹر پر کافی کے پیسے دیئے۔ اور تھکے تھکے قدموں سے جہاز کی جانب چل پڑا۔

لاؤڈ اسپیکر کا اعلان سن کر دوسرے تمام مسافر بھی جلدی جلدی اپنے عزیزوں

سے مل رہے تھے یا کینٹین میں کچھ کھا پی رہے تھے اُٹھ اُٹھ کر جہاز کی سمت جانے لگے تھے۔

جہاز کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اس نے ایک طائرانہ نگاہ چاروں طرف ڈالی۔ دور دھندلی روشنی میں اپنے عزیزوں کو رخصت کرنے والے لوگ کھڑے تھے۔ جن میں خوبصورت لڑکیاں، معمر عورتیں اور ہر قسم کے مرد شامل تھے غالباً پورے جہاز کے مسافروں میں وہ تنہا شخص تھا جسے کوئی رخصت کرنے نہیں آیا تھا۔ دہلی سے جس کے رخصت ہونے کی شاید کسی کو پرواہ نہیں تھی — کسی کو پتا نہیں تھا — دہلی — جس میں اس نے زندگی کے کئی سال گذارے تھے اس کے لئے اجنبی تھی — بالکل اجنبی —

رات کے نو بج چکے تھے۔ لیکن تیرہ چودہ تاریخ کا چاند آسمان پر چمک رہا تھا اور بے تاریکی سُنہرے دھندلکے میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اس نے ایک الوداعی نظر دھند میں چھپی ہوئی دہلی پر ڈالی اور جہاز میں اندر داخل ہو گیا۔

جہاز میں لگے ہوئے لاؤڈ اسپیکر نے ایک بار پھر اعلان کیا:-

"جہاز پرواز کرنے والا ہے اس لئے مہربانی فرما کر تمام مسافر سیٹوں میں لگی ہوئی پیٹیاں اپنے گرد کس لیں"

لاپرواہی کے ساتھ اس نے پیٹی کس لی۔ اور سیٹ کے برابر لگے ہوئے گول شیشے کی راہ سے باہر جھانکنے لگا۔

ایک منٹ بعد ہی ایک بہت ہلکا سا جھٹکا محسوس ہوا۔ اور جہاز انجن کی پُر شور آواز میں زمین پر دوڑنے لگا — اور چند لمحوں بعد ہی وہ سرزمین دہلی سے ہزاروں فٹ اوپر فضا میں پرواز کر رہا تھا۔

ایئرپورٹ دھندلا ہوتے ہوتے اب اس کی نظر سے غائب ہو چکا تھا۔
دہلی کی عمارتوں اور سڑکوں پر روشن قمقمے بلندی پر سے دیپکوں کی طرح جھلملا رہے
تھے۔ بالکل ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی شہر کا چھوٹا سا ماڈل دیکھ رہا ہو۔

اوپر آسمان پر سنہرا چاند غیر معمولی بڑا نظر آرہا تھا۔ فضا میں سنہرے رنگ
کا غبار سا بھرا ہوا تھا جیسے سونے کے ذرّوں کو کوٹ کر فضا میں بکھیر دیا گیا ہو۔
آسمان کی نیلگوں مائل سیاہ چادر میں ستارے موتیوں کی طرح جگمگا رہے تھے۔
فضا بالکل پرسکون تھی۔ جبکہ جہاز اپنے پُرشور آواز سے متلاطم کرتا ہوا برق
رفتاری سے بمبئی کی سمت اُڑ رہا تھا۔

امر کی نگاہیں سنہرے غبار میں بھٹک رہی تھیں لیکن غیر معمولی روشن چاند
اس کی توجہ کا مرکز نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنے خیالات میں گم تھا۔ وہ اپنے ماضی کی
اندھیری گلیوں میں ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا۔

باہر ایک سکون —— ایک لطیف سکون چھایا ہوا تھا —— اندر جہاز میں
ایک دنیا آباد تھی۔ اور اس دنیا کے ایک فرد امر کے ذہن میں ایک طوفان اُٹھ رہا
تھا۔ خیالات کی آندھیاں اور بگولے اسے ماضی کے گلی کوچوں میں اُڑائے پھر رہے
تھے۔ وہ جہاز کے اندر والے اور باہر والے دونوں ماحولوں سے لاعلم تھا ——
نہ جانے کتنی دیر اسے اسی عالم میں گذر گئی۔ یکایک ایک نرم اور شیریں آواز نے
اسے چونکا دیا۔

"آپ کیا پیجئے گا —— ؟"

اس نے چونک کر نظر اُٹھائی تو سامنے جہاز کی خوبصورت ہوسٹس
(Air Hostess۔ جہاز میں مسافروں کی ضرورتوں کا خیال رکھنے والی لڑکی)
کھڑی تھی۔

امر نے سر سے پیر تک ایک گہری نظر اس پر ڈالی ۔۔۔ وہ بوٹے سے قد کی نوعمر لڑکی تھی۔ رنگ ذرا سا تولا تھا لیکن نقوش بے حد دیدہ زیب تھے۔ خاص طور پر آنکھیں بڑی تیز چمکیلی تھیں۔ جن پر لانبی لانبی پلکوں کی چلمن سی پڑی ہوئی تھی جم کھاتے ہوئے باریک ہونٹوں پر اس نے ڈارک رنگ کی ہلکی سی سُرخی لگا رکھی تھی جس کی وجہ سے ہونٹوں کا دلفریب خم اور زیادہ نمایاں ہو گیا تھا۔ بھونروں کی طرح سیاہ چمکیلے بال جالی میں لپٹے ہوئے پشت پر پڑے تھے۔

اپنے مخصوص سفید لباس میں وہ مجموعی طور پر سفید تتلی نظر آ رہی تھی۔ وہ کئی منٹ سے کھڑی ہوئی خیالات میں گم امر کو دیکھ رہی تھی۔ شیشے سے لگے ہوئے امر کے چہرے پر چاندنی کا سنہرا عکس پڑ رہا تھا جس نے ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی تھی ۔۔۔ یوں بھی امر مردانہ وجاہت کا بہترین نمونہ تھا۔ عام طور سے لڑکیاں اس کے متناسب جسم اور مردانہ حُسن سے متاثر ہو جایا کرتی تھیں ۔۔۔ ہوسٹس بھی اس کے حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنا فرض بھول کر کئی منٹ تک اسے کھڑی ہوئی گھورتی رہی ۔۔ لیکن فوراً ہی اسے اپنے فرض کا خیال آ گیا اور اس نے امر کو اس کے خیالات کی دنیا سے نکال کر پھر جہاز کی سیٹ پر لا پٹکا۔

لیکن وہی ہوسٹس جو کئی منٹ تک اسے کھڑی ہوئی گھورتی رہی تھی۔ امر نے چونک کر جب اس کے سراپا پر ایک گہری نظر ڈالی۔ تو وہ چھوئی موئی کی طرح شرما کر رہ گئی۔ اسے امر کی نگاہیں اپنے جسم میں سوئیوں کی طرح چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں ۔۔۔ اور یکلخت دورانِ خون تیز ہونے کے باعث اس کے رخسار بھی گلابی ہو گئے۔

لیکن شاید وہ لاعلم تھی کہ امر کی اس نگاہ کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ اس کی

اس گہری نگاہ میں بھی وہ گرمی نہیں تھی جو ایک نوجوان مرد کی نگاہ میں ایک نوجوان لڑکی کو دیکھ کر پیدا ہو جاتی ہے۔

"فرمایئے کیا لیجیے گا ۔۔۔ چائے یا کچھ اور؟" ہوسٹس نے اس کی نگاہ سے گھبرا کر دوبارہ اپنا سوال دُہرایا۔

"جو آپ پسند فرمائیں پلا دیں" امر نے آہستہ سے جواب دیا۔

"پئیں گے آپ اور پسند میری!" ہوسٹس نے مسکرا کر کہا "کیسی عجیب بات ہے؟"

"ہاں یہ بات عجیب ضرور ہے لیکن حالات نے کچھ ایسا ثابت کیا ہے کہ میں جو چیز پسند کرتا ہوں وہ کبھی میرے لئے اچھی نہیں ہوتی"

"بہت اچھا ۔۔۔ میں اپنی پسند کی چیز لائے دیتی ہوں" ہوسٹس نے مسکرا کر کہا اور ایک شوخ نظر اس پر ڈالتی ہوئی پلٹ گئی۔

دس منٹ بعد ہی وہ ایک کپ کریم کافی لا کر امر کے سامنے رکھ گئی تھی چونکہ اسی وقت دوسرے مسافروں نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا اس لئے امر کے سامنے کافی رکھ کر وہ فوراً ہی چلی گئی۔

امر پھر اپنے خیالات میں گم ہو چکا تھا ۔۔۔ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ ہوسٹس کب آئی اور کب چلی گئی۔

وہ پھر ماضی کی گود میں پہنچ چکا تھا۔ اس کی زندگی کے تین چار سال کا عرصہ کھلی ہوئی کتاب کی طرح اس کے سامنے پڑا تھا۔ گزشتہ تمام واقعات ورقوں کی صورت میں پلٹے جا رہے تھے۔ اور واقعات ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے کے

نیچے جھاگ رہے تھے۔ اُسے وہ دن یاد آیا جب آج سے چار سال پہلے اس نے دہلی کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔

فسادات میں وہ لاہور سے ہندوستان آیا تھا۔ چار سال تک وہ دوسرے مختلف شہروں میں ٹھوکریں کھاتا پھرا۔ لیکن جب کہیں اسے پیٹ بھرنے کے لئے روٹی نہ مل سکی تو اس نے دارالسلطنت کا رُخ کیا۔ اسے یقین تھا کہ دہلی جو ہندوستان کا دل ہے ضرور اس کے لئے پناہ گاہ ثابت ہوگی۔ دہلی پہنچ کر کم از کم اسے پیٹ بھرنے کی سہولتیں ضرور مہیا ہو جائیں گی۔ لیکن پایہ تخت میں آنے کے بعد یہ سارے خیال خواب بن کر رہ گئے۔ باوجود کوشش کے اسے سکون نہ مل سکا۔

اس کے تمام عزیز اور رشتہ دار فسادات میں ختم ہو چکے تھے۔ اب وہ صرف تنہا تھا۔ اتنی بڑی دنیا میں اکیلا۔ جس کے دکھ درد کو پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔

تین چار سال کی مسلسل آوارہ گردی اور زمانہ کی ٹھوکروں میں وہ اپنے تمام عزیزوں کا غم تقریباً بھول چکا تھا۔ گردشِ زمانہ نے اس کے دل کے تمام زخموں پر مرہم رکھ دیا تھا۔ لیکن ایک زخم ابھی تک نہ بھر سکا تھا۔ وہ زخم آج بھی اسی طرح نمایاں تھا۔ اس کی ٹیسیں آج بھی راتوں کو اسے نہ سونے دیتی تھیں —— دنیا کے تمام مصائب اور قیامتیں مل کر بھی اس ایک چھوٹے سے زخم کی شیریں تکلیف پر غالب نہ آ سکی تھیں —— اور وہ زخم تھا چترا کی یاد —— چترا جو لاہور میں ان کے ہمسائے ایک جج صاحب کی لڑکی تھی۔

یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب وہ ابھی ناسمجھ تھا۔ اس کی عمر پندرہ سولہ سال تھی اور چترا کی عمر کوئی بارہ سال تھی —— اگرچہ اس کے اور چترا کے خاندان میں

کو بہت زیادہ میل جول نہیں تھا کیونکہ جج صاحب بڑے آدمی تھے اور وہ اُن کے مقابلہ میں بہت غریب تھے۔ پھر بھی وہ چترا کو اپنے خیالات میں بسائے ہوئے تھا۔ اسے کچھ پتہ نہیں کہ عمر کے کس حصہ میں چترا چپکے سے اس کے من میں آ بیٹھی تھی۔

ہمسایہ ہونے کے باوجود اسے چترا سے ملنے یا بات کرنے کا موقعہ بہت کم ملتا تھا۔ نہ ہی چترا نے کبھی اس کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ چترا کی کم سنی ہو ۔۔۔ بہر حال کچھ بھی تھا ۔۔۔ امر اس سے بے پناہ محبت کرتا تھا ۔۔۔ ایک قسم کی خاموش محبت جو محض یک طرفہ تھی۔

لیکن اس خاموش محبت میں ایک روز طوفان آگیا۔ لڑکپن کی محبت ناعاقبت اندیش تھی ۔۔۔ اپنے اچھے بُرے سے لاپروا ۔۔۔ مہینوں غور و فکر کرنے کے بعد اس کے ناسمجھ دماغ نے فیصلہ کیا کہ وہ چترا کے نام ایک خط لکھے تاکہ اپنی خاموش محبت کو زبان دے سکے۔ چترا کی محبت نے اسے شاعر بھی بنا دیا تھا۔ اس لئے اس نے پہلے شاعری کو ہی اپنا پیغامبر بنانا چاہا۔ اس نے کئی غزلیں لکھ کر چترا کے نام سے رسالوں میں چھپنے کے لئے بھیج دیں۔ قسمت سے ایک غزل ایک رسالہ میں چھپ گئی۔ امر نے فوراً ایک پرچہ خرید کر گمنام طریقہ پر چترا کو بھیج دیا۔ پھر ایک ہفتہ کے وقفہ کے بعد ایک خط لکھا:

چترا دیوی ۔۔۔۔

اچانک تم میرا یہ خط پا کر ضرور حیران ہو گی۔ لیکن چونکہ میں اپنے دل کی اس آگ سے مجبور ہو چکا تھا جو اندر ہی اندر میرا سب کچھ جلائے جا رہی تھی۔ اس لئے میں یہ خط تمہیں لکھ رہا ہوں۔ تمہیں شاید

علم نہیں کہ تمہاری ان خاموش اور معصوم نگاہوں نے ایک بدنصیب کا تمام صبر و سکون، لوٹ لیا ہے۔ میں ایک مدت سے تمہاری موہنی صورت اپنے دل میں بسائے ہوئے ہوں۔ اور تمہیں علم بھی نہیں ——

یہ خط لکھنے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ کم از کم تمہیں یہ تو معلوم ہو جائے کہ ایک پروانہ تمہاری شمعِ حسن پر جل مرنے کو تیار ہے ——

اس سے پہلے ایک رسالہ بھی میں نے تم کو بھیجا تھا جس میں تمہارے نام سے ایک غزل میں نے چھپوائی تھی۔ اگر تم اجازت دو تو میں یہ سلسلہ جاری رکھوں۔

آخر میں صرف اتنا لکھنا چاہتا ہوں کہ اگر تم میری محبت کو قبول بھی نہ کرو تو کم از کم مجھے محبت کرنے کی اجازت ضرور دے دو۔

تمہارا —— ا۔م

خط کے آخر میں اس نے دوسرے شاعروں کے پانچ چھ شعر بھی لکھ دیئے۔ اس کے بعد اسے فکر ہوئی کہ خط کس طرح پہنچائے۔ ڈاک کے ذریعہ بھیجنا غلط تھا —— خود اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ کسی روز اسکول جاتے ہوئے راستے میں اسے دیدے —— بہت کچھ سوچنے سمجھنے کے بعد اس نے محلہ کے ایک چھوٹے سے لڑکے کو پیسوں کا لالچ دے کر راضی کیا کہ وہ خط چترا کو دے آئے۔

لڑکا خط لے کر چلا گیا —— اور وہ جج صاحب کی کوٹھی سے کسی قدر فاصلہ پر کھڑا ہو کر نامہ بر کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

پانچ منٹ، دس منٹ، پندرہ منٹ۔ حتیٰ کہ آدھ گھنٹہ گذر گیا لیکن نامہ بر

دالیس نہ آیا۔ خدا جانے وہ اندر کیا کرتا رہ گیا تھا۔ پتہ نہیں چیترا گھر میں تھی بھی یا نہیں۔

"آدھے گھنٹے کے بعد ایک عورت کوٹھی سے باہر نکلی۔ جسے وہ اکثر جج صاحب کے ہاں آتا جاتا دیکھ چکا تھا۔ عورت سیدھی چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور آہستہ سے بولی۔

"بیٹا تمہیں چیترا بلا رہی ہے۔"

کم از کم وہ چیترا کے بلاوے کا متوقع نہیں تھا۔ — اور پھر وہ بھی ایک عورت کے ہاتھوں — اس لیئے وہ لمحہ بھر کے لئے بے چین ہو گیا۔ لیکن پھر فوراً ہی اس نے اپنی بے چینی پر قابو پا لیا اور ہکلاتے ہوئے بولا۔

"کیا — میں ... میرا مطلب ہے کیا چیترا نے مجھے بلایا ہے؟"

"ہاں بیٹا — وہ تمہارا انتظار کر رہی ہے — آؤ میرے ساتھ آؤ۔"

یہ سن کر اس کا دل خوشی کے مارے جھوم اٹھا۔ اسے اپنے سارے جسم میں گدگدیاں سی محسوس ہونے لگیں۔ دورانِ خون یکدم تیز ہو جانے کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو گیا — وہ فوراً عورت کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

کوٹھی میں داخل ہو کر برآمدے سے گذرتے ہوئے عورت اسے ایک چھوٹے سے کمرے کی طرف لے گئی جس کا دروازہ بند تھا۔ دروازہ پر پہنچ کر عورت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور فوراً دروازہ کھول کر اسے اندر دھکیل دیا۔

عورت کے رویہ میں یکلخت تبدیلی دیکھ کر امر کا دل خوف سے کانپ اٹھا۔ لیکن ابھی وہ کچھ سوچنے بھی نہ پایا تھا کہ اس نے خود کو کمرے کے اندر پایا —

کمرے میں چاروں طرف ایک سرسری نظر ڈالتے ہی اس کی روح سہم گئی ـــ وہ شدید خوفناک نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ چترا کی موٹی تازی گول مٹول ماں قہر مجسم بنی سامنے بیٹھی تھی۔ اس کے قریب ہی چترا کی کئی رشتہ دار عورتیں جو اُس کے ساتھ رہتی تھیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ چترا بھی انہی عورتوں کے نرغہ میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ پہلی نظر میں ہی اس نے دیکھ لیا کہ کم از کم چترا کی آنکھوں میں وہ قہر نہیں تھا۔ بلکہ ہلکا سا ہنسی کا تبسم شامل تھا۔ وہ لڑکا جس کے ہاتھ اس نے وہ خط بھیجا تھا اُسے کہیں نظر نہیں آیا۔ شاید وہ کوٹھے کے پچھلے دروازہ سے چلا گیا تھا۔ یا پھر اس نے اپنے خیالات میں گم ہونے کی وجہ سے لڑکے کو کوٹھی سے نکلتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔

"لڑکے ـــ" یکایک چترا کی ماں نے خوفناک لہجہ میں کہا ـــ "یہ خط تم نے چترا کو لکھا تھا ـــ؟"

اس کا خط چترا کی ماں کے ہاتھ میں تھا ـــ وہ حیران تھا کہ یہ خط اُس تک کیسے پہنچا ـــ کیا چترا نے ہی اپنی ماں کو دے دیا ہے؟ ـــ یا لڑکا غلطی سے چترا کی بجائے کسی اور کو دے گیا ہے ـــ چونکہ اپنی کم عمری کے باعث وہ ناتجربہ کار تھا۔ اس کی زندگی میں اس قسم کا یہ پہلا موقع تھا اس لئے وہ کچھ بھی نہ سوچ سکا کہ حالات پیش آمدہ میں اسے کیا صورت اختیار کرنی چاہیئے۔

آخر دوسری بار جب چترا کی ماں نے زیادہ زور سے ڈانٹ کر پوچھا، تو فوراً اس نے قبول لیا۔

"جی ہاں ـــ" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا "یہ میرا خط ہے ـــ"

"اور وہ غزل بھی تم نے چترا کے نام سے چھپوائی تھی؟" پھر اس سے سوال ہوا ـــ

"جی ہاں ——" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

بس اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کا ایک دھندلا سا خاکہ اُسے یاد ہے۔ یکایک وہ تمام عورتیں جو کمرے میں ابھی تک خاموش بیٹھی تھیں اٹھیں۔ "غنڈے" "بدمعاش" "شہدے" اور دوسری نئی نئی گالیوں کے الفاظ اسے سنائی دیئے۔ اور چاروں طرف سے اس پر لاتوں، گھونسوں کی بوچھار شروع ہوگئی۔

اس کے ایک منٹ بعد ہی وہ بے ہوش ہوگیا۔
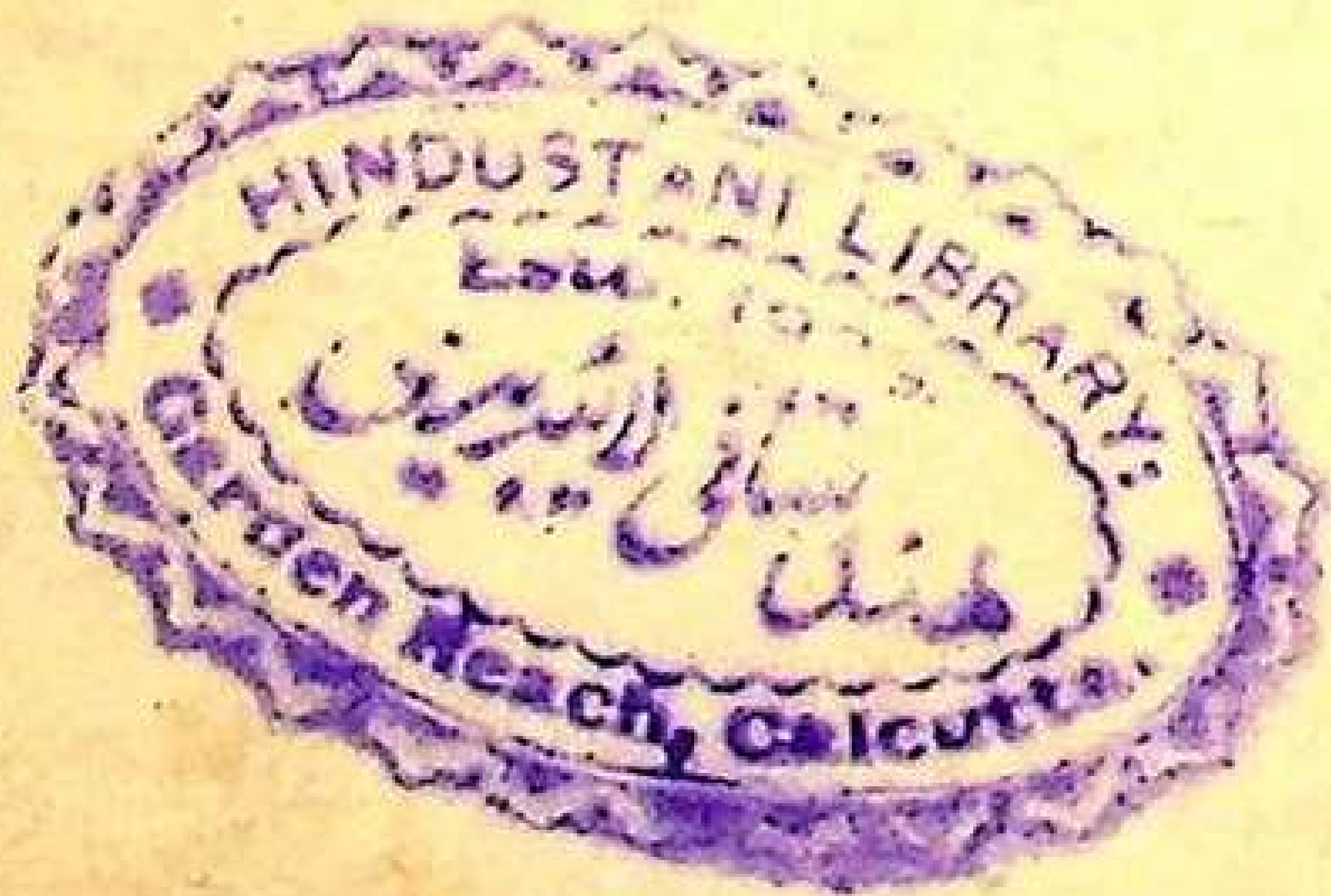
باب ۳

یہ واقعہ صبح دس بجے کا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اُسے ہوش آیا۔ تو اس نے خود کو اسی کمرے میں پڑا پایا۔ لیکن اب وہ کمرہ میں تنہا تھا۔ اس کا سارا جسم درد کی ٹیسوں سے پھٹا جا رہا تھا۔ داہنی آنکھ کے اوپر ورم سا بھی ہوگیا تھا۔ سر میں کئی ابھار تھے، جو شاید جج صاحب کی بیوی کی ٹھوکروں سے پڑے ہوں گے۔ باقی سارے جسم میں بھی بند چوٹوں کی وجہ سے سخت درد ہو رہا تھا۔

بمشکل تمام وہ اٹھ کر بیٹھا۔ کھڑکی میں سے چھن چھن کر آتی ہوئی دھوپ کی تیزی سے اس نے اندازہ لگایا کہ شاید بارہ بجے ہوں گے۔ کچھ دیر تک بیٹھا بیٹھا وہ چوٹوں کو سہلاتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اُٹھ کر دروازہ کی جانب گیا۔ لیکن ہینڈل پکڑ کر کھینچنے پر اُسے پتہ چلا کہ دروازہ باہر سے بند ہے۔

وہ حیران رہ گیا کہ اس قدر مارنے پیٹنے کے بعد اسے کمرہ میں بند رکھنے سے ان لوگوں کا کیا مقصد ہے۔ پھر یکایک اسے خیال آیا کہ کہیں وہ اسے گرفتار

تو نہیں کرانا چاہتے - جج صاحب کا پولیس میں اچھا خاصا اثر ہوگا۔ اس لئے ہو سکتا ہے وہ اسے چوری کے الزام میں گرفتار کرانا چاہتے ہوں۔ یہ سوچ کر ایک بار پھر خوف و دہشت کے مارے اس کا سارا خون خشک ہو گیا۔ سینکڑوں واہمے بھوت بن کر اس کی نگاہوں کے سامنے ناچنے لگے۔ سب سے زیادہ ڈر اسے اپنے ہمجولیوں کا تھا جو یہ واقعہ معلوم ہونے کے بعد اس کا مذاق اڑاتے۔ اپنے ماتا پتا کا بھی اسے خوف تھا۔ وہ دل ہی دل میں بھگوان سے پرارتھنا کرنے لگا کہ اس بار کسی طرح اس کی جان بچ جائے تو آئندہ پھر کبھی وہ ایسی غلطی نہ کرے گا —— ساتھ ہی ساتھ وہ اس بات پہ بھی حیران تھا کہ آخر یہ چھتر اکی ماں تک کیسے پہنچا؟ دوسرا سوال جو اسے پریشان کر رہا تھا وہ یہ تھا کہ اس تمام واقعہ کا چھترا پر کیا اثر ہوا؟ یہ بات وہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ چھترا کی آنکھوں میں غصہ کی بجائے رحم کے جذبات تھے۔ لیکن کیا وہ اس کی محبت قبول کر لے گی یا نہیں اس بات پر وہ کسی صحیح نتیجہ پہ نہ پہنچ سکا۔

کئی گھنٹے اسی عالم میں گذر گئے۔ اب اسے سخت بھوک لگنے لگی تھی۔ کمرے کے باہر لوگوں کے ادھر ادھر چلنے پھرنے کی آوازیں آرہی تھیں —— دو ایک بار کمرے کے باہر آہٹ سن کر اس نے دروازہ بھی تھپتھپایا لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ کئی بار اس نے چیخنے چلانے کی کوشش کی۔ لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ کہیں اس طرح گھر والوں کا غصہ اور زیادہ نہ بھڑک اٹھے۔

بھوک کی وجہ سے اس کی آنتیں اینٹھ رہی تھیں۔ اور خوف کی وجہ سے اس کے دماغ کی رگیں کھنچ رہی تھیں —— اب شام ہونے لگی تھی —— ایک بار جب وہ دروازہ سے کان لگائے کھڑا تھا تو اس نے دو عورتوں کو بلند آواز سے باتیں کرتے سنا۔ ایک عورت دوسری عورت سے کہہ رہی تھی۔

"جج صاحب کا انتظار ہے ــــ وہ پانچ بجے آ جائیں تو اس کمینے کو دو چار بید تو اس کے ہاتھ میں دے کر پولیس میں بھیجدیں۔ چوری کے جرم میں ایک سال جیل میں رہ آئے گا تو عشق کرنے کا سارا مزا آ جائے گا"

"ہاں بہن!" دوسری عورت نے جواب دیا "کیا ذرا سا تو لڑکا ہے اور ابھی سے عشق کرنے لگا ــــ اس صدی میں تو بہن نہ جانے کیا کیا ہو گا ہمارے زمانے میں تو ایسی باتیں بالکل نہیں تھیں"

"اور کیا ــــ؟" پہلی عورت نے پھر کہا "وہ تو بیٹی چترا نیک اور معصوم ہے۔ اس نے پرچہ پڑھ کر فوراً اپنی ممی کو دے دیا ــــ ورنہ اس ...."

اس سے آگے وہ کچھ نہ سن سکا۔ کیونکہ وہ عورتیں باتیں کرتی ہوئی دور چلی گئی تھیں۔ اور ان کی آوازیں دھیرے دھیرے سنائی دینی بند ہو گئی تھیں۔ ان کی باتوں سے کم از کم اسے یہ پتہ چل گیا کہ پرچہ خود چترا نے اپنی ماں کو دیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ محبت کے لئے نامنظوری ہے۔

لیکن خیر یہ تو بعد کی بات تھی۔ اس وقت پہلا سوال تو یہ تھا کہ وہ کسی طرح اس مصیبت سے چھٹکارا پائے۔ ایک بار وہ کوٹھی سے باہر نکل جائے پھر اسے پرواہ نہیں تھی۔ لیکن کوٹھی سے باہر کس طرح نکلے یہ ایک حل طلب معمہ تھا ــــ دروازہ اور کھڑکیاں دونوں چیزیں باہر سے بند تھیں۔

وہ کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا کہ یکایک کھڑکی کے شیشے کے دوسری جانب اسے کسی انسان کا سایہ سا نظر آیا۔ کھڑکی کے شیشے چونکہ کھردرے تھے اسلئے

دوسری جانب کی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ صرف ایک سایہ سا نظر آتا تھا۔ ایک لمحے
بعد ہی اسے چٹخنی گرنے کی آواز سنائی دی اور کھڑکی ذرا سی کھلی۔

امر کا دل دھڑکنے لگا۔ کھڑکی میں اس کے خوابوں کی شہزادی چترا کھڑی تھی۔

"چترا ــــ!" وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھا۔

"شی ــــ ی ــــ ی ــــ" چترا نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے
کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور جب وہ خاموشی سے کھڑکی کے قریب پہنچ گیا تو دبے
ہوئے لہجے میں بولی۔

"اس وقت بات کرنے کا موقعہ نہیں ہے ــــ تم کھڑکی سے کود کر بھاگ
جاؤ۔ ورنہ ممی تمہیں گرفتار کرا دیں گی۔"

"لیکن وہ تم پر خفا ہوں گی جب انہیں پتہ چلے گا کہ تم نے مجھے نکالا ہے"
اس نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں۔" چترا نے سرگوشی کے لہجے میں جواب دیا۔ "وہ سمجھیں گی کہ تم کسی
طرح کھڑکی کھول کر بھاگ گئے ہو۔ جاؤ جلدی کرو۔ اس وقت سوچنے کا موقعہ
نہیں ہے۔ ڈیڈی آنے والے ہیں۔"

امر فوراً کھڑکی سے نیچے کود پڑا۔ اور چترا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں
لے کر بولا۔

"چترا ــــ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا۔ کیا اس کے معنی میں یہ
سمجھوں کہ تم نے میری نذر محبت قبول کر لی ہے ــــ؟"

"میں کچھ نہیں جانتی ــــ" چترا نے کسی قدر تمکنت اور کسی قدر غصہ سے
کہا۔ "میں نہیں جانتی کہ محبت کیا ہوتی ہے۔ تم نے مجھے خط لکھ کر سخت حماقت کی۔
میں تمہیں صرف اس لئے چھڑا رہی ہوں کہ تم میری وجہ سے اس مصیبت میں پھنس

سبب تھے ۔ مجھے تم پہ رحم آگیا تھا ۔ جاؤ اب جلدی سے بھاگ جاؤ ۔ اور آئندہ ایسی
بیوقوفی نہ کرنا ۔"

یہ کہہ کر وہ تیز چلتی ہوئی کوٹھی میں اندر چلی گئی ۔ امرچند کچھ دیر تک کھڑا
ہوا اسے گھورتا رہا ۔ پھر باغ کی چھوٹی سی دیوار پھاند کر اپنی گلی میں پہنچ گیا
اب وہ خطرے سے دور تھا ۔

اس کے بعد کئی ماہ تک اسے ہمت نہ پڑی کہ کسی طرح وہ پھر اپنی
محبت کا اظہار کر سکے ۔ البتہ اتنا اس نے ضرور دیکھا کہ اب چترا جب کبھی اسے
راستے میں ملتی ترچھی نظروں سے اس کی جانب ضرور دیکھتی ۔ لیکن جب ان کی نظریں
مل جاتیں تو فوراً وہ نگاہ جھکا کر گذر جاتی ۔

اس کے چند ماہ بعد ہی فسادات شروع ہو گئے ۔ سیاست سے اسے کوئی
لگاؤ نہیں تھا ۔ البتہ یہ اسے ضرور معلوم تھا کہ ہندوستان تقسیم ہونے والا ہے
وہ سیکنڈ ایئر کا اسٹوڈنٹ تھا ۔ اور ہوش سنبھالنے کے بعد اس نے پڑھنے لکھنے
کے علاوہ اگر کسی دوسری چیز پہ توجہ دی تھی تو وہ چترا کی محبت تھی ۔ لیکن
فسادات نے اس کی تعلیم بھی ختم کر دی اور محبت بھی ۔

فسادات کے ایک ہفتہ بعد جب ذرا سا امن ہوا تو ایک روز اسے
پتہ چلا کہ جج صاحب اپنے بیوی بچوں سمیت ہوائی جہاز سے دہلی چلے گئے ہیں ۔

اس کے بعد کئی سال تک اسے بالکل علم نہ ہو سکا کہ چترا کہاں ہے اور
کیسی ہے ۔ پھر چار پانچ ماہ بعد ہی ہندوستان تقسیم ہو گیا ۔۔۔ لاہور جو اس کا
وطن تھا پاکستان میں آگیا اور دونوں ملکوں میں خوفناک فسادات شروع

ہو گئے۔

دورانِ فساد کے حالات اس قدر بھیانک اور روح فرسا تھے کہ اس کبھی اس بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ اُسے صرف اتنا یاد تھا کہ ایک رات اُن کے محلہ پر حملہ ہوا۔ اس کے ماں باپ بہن بھائی سب مارے گئے۔ وہ اکیلا کئی روز بیشتر کے جھنگڑ ایک مکان میں چھپا رہ گیا۔ پھر دوسرے روز امن کرانے کے لئے فوج آئی اور جو لوگ بچ گئے تھے انہیں ٹرک میں بھر کر ریلیف کیمپ میں لے گئے۔۔۔ جہاں سے انہیں موٹروں میں بھر کر ہندوستان کی سرحد میں چھوڑ دیا گیا۔

اس کے بعد وہ چار سال تک سارے ہندوستان کی خاک چھانتا پھرا۔ لیکن کہیں اس کو سکون نہ مل سکا۔ نہ ہی پیٹ بھرنے کو روٹی میسر آسکی۔ آخر ہر طرف سے مایوس ہو کر اس نے پایہ تخت دہلی کا رُخ کیا ــــ اس دوران میں اسے یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ چترا کہاں ہے ــــ لیکن اس کی یاد ہمیشہ اس کے سینے سے لگی رہی ــــ اس کے دماغ کی تاریک گہرائیوں میں چترا کی یاد کا ایک دیپک ہمیشہ ٹمٹماتا رہا۔ جو گردشِ آفاق کی لاتعداد آندھیوں کے باوجود گل نہ ہو سکا۔۔۔

دہلی آکر ایک پرانے کرمفرما کی بدولت اتنا ضرور ہوا کہ اسے ایک اُردو رسالے کے دفتر میں ساٹھ روپے ماہوار کی نوکری مل گئی۔ اور رہنے کے لئے پندرہ روپے ماہوار کا ایک چھوٹا سا کمرہ مل گیا ــــ

یہاں آکر اس کی زندگی میں کچھ دنوں کے لئے ایک ٹھہراؤ سا آگیا ــــ اسے کچھ سکون سا حاصل ہو گیا ــــ لیکن اسے کیا پتہ تھا کہ یہ ٹھہراؤ اور سکون ایک عظیم انقلاب کا پیش خیمہ ہے ــــ وہ مستقبل کے بھیانک اور صبر آزما حالات سے بالکل ہی لاعلم تھا۔ ورنہ شاید وہ زندگی بھر

دہلی کا رُخ نہ کرتا۔

اور یہ دہلی آنے کے چار ماہ بعد کی بات ہے —— ایک روز جب وہ زندگی کی بے کیفی اور یکسانیت سے اکتا کر کناٹ پلیس پر گھوم رہا تھا —— ایک نوجوان لڑکی کو دیکھ کر یکایک اس کے قدم رک گئے —— یہ چترا تھی —— چار سال کے طویل عرصے نے چترا میں بے شمار تبدیلیاں کر دی تھیں —— اب وہ کم سِن اور الھڑ لڑکی نہیں تھی۔ بلکہ ایک سنجیدہ اور نوجوان لڑکی تھی۔ اس کے حُسن میں اب پہلے سے زیادہ جاذبیت پیدا ہو گئی تھی۔ باریک ہونٹوں میں پہلے سے زیادہ تر و تازگی آ گئی تھی —— غلافی آنکھوں میں اور زیادہ نشہ بھر گیا تھا۔ رخساروں کی صباحت میں جوانی کی سُرخی جھلکنے لگی تھی۔ گداز سینے کے تموج میں جھکولے سے محسوس ہونے لگے تھے۔ غرض اب وہ خوبصورتی کا نادر نمونہ بن گئی تھی۔ جسے ایک نظر دیکھ کر ہی امر نے محسوس کیا جیسے اُسے سرور ہوتا جا رہا ہے ——

چترا نے بھی اسے فوراً پہچان لیا —— ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے گلابی ہونٹوں پر کھیل گئی۔ اور امر کو ایسا محسوس ہوا جیسے نسیم سحر کے گدگدانے پر گلاب کی ایک کلی چٹک گئی ہو۔

ایک لمحہ کے لئے دونوں جھجکے —— دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے —— پھر یکایک چترا نے چونکتے ہوئے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا کر کہا۔

"ہیلو امر —— کہو اچھے تو ہو ؟"

امر نے چترا کا ریشمیں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کا سفید سفید چکنا
چکنا ہاتھ اس قدر نرم تھا کہ امر کو بالکل ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی موم کی گڑیا کا
ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے جو اس کے ہاتھ کی گرمی سے نرم ہو گیا ہے ——
اس کے سارے جسم میں مقناطیسی لہریں دوڑ گئیں —— رگوں میں دوران خون
تیز ہو جانے کی وجہ سے سوئیاں سی چبھنے لگیں۔ وہ ہاتھ کی لطافت اور چترا کی آنکھوں
کے نشہ میں اس قدر بے خود ہوا کہ اس کا سوال بھی بھول گیا —— آخر جب چترا
نے اس کی محویت پر مسکراتے ہوئے اپنا سوال دوہرایا تو وہ چونک پڑا۔

"جی ہاں ——" اس سے زیادہ دیر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں رکھنا خلاف
تہذیب سمجھ کر ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا —— "بدقسمتی سے ابھی تک زندہ ہوں ——
آپ فرمائیے آپ تو ٹھیک ہیں —— جج صاحب کہاں ہیں؟"

"ہاں میں تو بالکل ٹھیک ہوں —— ڈیڈی آج کل یہیں سیشن کورٹ
میں ہیں ——"

"آپ تو لاہور سے اچانک ہی چلی آئیں۔"

"حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے ——" چترا نے جواب دیا —— "تم تو
خیریت سے آ گئے تھے۔"

"جی ہاں —— بالکل خیریت سے ——" امر نے غمگین مسکراہٹ سے کہا۔
"صرف ماں باپ اور بہن بھائی قتل ہو سکے —— میں بچ گیا۔"

"اوہ! —— کیا واقعی؟" چترا نے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔ "مجھے یہ سن کر سخت
افسوس ہوا —— لیکن خیر۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب یہ بتاؤ کہ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ایک رسالہ کے دفتر میں ملازم ہوں۔"

"ہوں ——" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا —— "اچھا امر اب تو میں چلتی

ہوں۔ پھر کسی وقت ملنا — یہ میرا کارڈ ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اختر کو تھما دیا۔ اور اس نے ہاتھ ہلا کر برآمدہ سے باہر کھڑی ہوئی کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئی — وہ اسے حسرت بھری نگاہ سے دیکھتا رہ گیا۔ چند لمحوں کے بعد جب کار نظروں سے غائب ہو گئی تو اس نے وزیٹنگ کارڈ کی جانب دیکھا جس پر انگریزی میں لکھا تھا۔

> مس چترا ملک
> ۱۱۔ کناٹ پلیس — نئی دہلی

وہ کارڈ کو جیب میں رکھ کر مرتے ہوئے قدموں سے گھر واپس آ گیا....
کیونکہ چترا سے ملنے کے بعد اب اس میں اتنی سکت نہ رہی تھی کہ وہ مزید ٹہل سکے۔

چترا کی اس اچانک ملاقات نے ان سوئے ہوئے طوفانوں کو بیدار کر دیا جنہیں وہ آج تک تھپک تھپک کر سلاتا آ رہا تھا — دماغ کی تاریک گہرائیوں میں ٹمٹماتا ہوا چراغ ایک دم تیز روشن ہو گیا جیسے اس میں تیل ڈال دیا گیا ہو — ذہن کے پردے پہ ایک عکس جو دھندلا ہونے لگا تھا پھر نئے سرے سے روشن ہو گیا۔ محبت پھر بیدار ہو گئی اور اس بار اس قدر شدت کے ساتھ بیدار ہوئی کہ اختر کا ذہنی سکون ایک دم ہلچل میں تبدیل ہو گیا۔

پہلے تو اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ چترا کہاں ہے اور کیسی ہے — کیا اس کی شادی ہو گئی ہے یا ابھی تک کنواری ہے۔ لیکن اب اچانک ملاقات نے ان

تمام سوالات کا واضح جواب دے دیا۔ تو ایک بار اس کی آرزوئیں پھر نئے سرے سے بیدار ہو گئیں۔ اس کی حسرتیں پھر دل میں چٹکیاں لینے لگیں۔ اگرچہ چیترا کا رویہ بہ سرد مہری کا تھا۔

چار سال کے بعد اچانک وہ ملے تھے۔ کیا وہ اس کے ساتھ ہوٹل میں کچھ دیر بیٹھ کر بات چیت نہیں کر سکتی تھی ––– لیکن کچھ بھی ہو اس کا ضدی دل ان باتوں کی پرواہ کئے بغیر اسے حاصل کرنے کی تمنا میں دھڑک رہا تھا ––– وہ آنکھیں بند کئے اسی طرح یہ جد و جہد جاری رکھنا چاہتا تھا جیسے بچہ چاند کو پکڑنے کے لئے پنگوڑے میں پڑا ہوا ہاتھ پیر چلاتا رہتا ہے۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ چیترا ایک مال دار اور بارسوخ باپ کی بیٹی ہے ––– اور وہ خود ––– ؟ وہ کیا ہے ؟ ––– صرف ساٹھ روپے ماہوار کا ایک معمولی کلرک ––– پھر اس کا اور چیترا کا کیا میل ہو سکتا ہے ؟ ––– لیکن یہ تمام باتیں سوچنے سمجھنے کے باوجود وہ اپنے سنہرے خوابوں کا سلسلہ توڑنا نہ چاہتا تھا۔ وہ اس نیند سے جاگنا نہ چاہتا تھا جس کے نشہ میں وہ دنیا کی تمام تلخیوں سے بے نیاز رہتا تھا ––– وہ خود کو فریب دے رہا تھا ...... مسلسل فریب !

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ چیترا پتھر کا پھول ہے ––– جسے توڑ کر وہ اپنے غمکدہ کی زینت نہیں بنا سکتا ––– جس میں وفا کی خوشبو نہیں ہے ––– جس میں محبت کی نرمی نہیں ہے ––– جس میں صرف حسن ہے۔ ایک بے درد، لاپرواہ اور سنگین حسن ––– لیکن اس کے باوجود وہ اس پھول کو حاصل کرنا چاہتا تھا ––– یہ اس کی خود فریبی نہیں تھی تو اور کیا تھا ؟

چیترا کے اس سرد رویہ کے باوجود اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس سے

تنہائی میں ملے گا۔ اور دوبارہ اپنا نذرانۂ محبت پیش کرنے کی کوشش کریگا
اسے خوشی صرف اس بات کی تھی کہ کم از کم چترا اُسے بھولی تو نہیں ــ اس
نے فوراً پہچان تو لیا۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ چترا کے دل میں ابھی اس کی
تھوڑی بہت یاد باقی ہے۔

لیکن اب سوال یہ تھا کہ چترا سے ملا کہاں جائے؟ ــ اگرچہ چترا اُسے
اپنا ملاقاتی کارڈ دے کر گھر آنے کی دعوت دے گئی تھی لیکن کیا اس کے لیے
چترا کے گھر جانا مناسب تھا جبکہ چار سال پیشتر وہ اس کے گھر والوں کے ہاتھوں
بُری طرح پٹ چکا تھا۔

"پھر کہاں ملا جائے؟" یہ سوال اس کے ذہن میں گونجتا رہا۔ آخر بڑی
دیر غور و فکر کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے مجھے ایک دو روز چھپ کر معلوم
کرنا چاہیئے کہ چترا کالج جاتی ہے یا نہیں۔ اگر جاتی ہے تو کس راستے سے اور
کس وقت! ــ یہ معلوم ہونے کے بعد ہی چاہے جب راستے میں اس سے
مل سکوں گا۔

یہ تجویز اسے اس قدر مناسب معلوم ہوئی کہ وہ کسی قدر مطمئن ہو گیا
اور اطمینان سے اپنے دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

اور چند روز کی کوشش کے بعد ہی اسے پتہ چل گیا کہ چترا روزانہ
دس بجے اپنی کار میں یونیورسٹی جاتی ہے۔

دوسرے دن ساڑھے نو بجے ہی وہ سڑک پر جا کھڑا ہوا ــ کئی دن
سوچنے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس بار زبانی ہی وہ اپنے دل کا

حال اس سے کہہ دے گا۔ اور زبانی ہی جواب طلب کرے گا۔ کہ آیا وہ اس کی محبت قبول کر سکتی ہے یا نہیں۔

اسے چترا کی کار کا نمبر یاد ہو گیا تھا۔ یہ بھی اس نے معلوم کر لیا تھا کہ کار چترا خود چلاتی ہے۔ اس لئے اسے یقین تھا کہ چترا اسے دیکھے گی تو ضرور کار روک لے گی۔

یہاں تک اس کا اندازہ درست نکلا —— چترا کی بیوک اس کے قریب آئی تو اس نے فوراً سلام کیا۔ چترا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کا جواب دیا اور کار روک لی۔

"آؤ امر بیٹھ جاؤ" اس نے برابر والی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ فوراً اس کے پہلو میں بیٹھ گیا —— آج وہ اپنی خوش قسمتی پر نازاں تھا۔ چترا نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اپنی پرانی عادت چھوڑی نہیں؟"

"کیا —— ؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"یہی سڑک پر کھڑے ہونے کی"

وہ شرما گیا اور انگلیاں چٹخاتے ہوئے بولا۔

"میں ایک بات آپ سے کہنا چاہتا تھا"

"کیا بات ہے؟ —— وہی بات تو نہیں جو ایک بار تم لکھ چکے ہو؟"

امر نے چترا کے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں اور بولا۔

"کیا میں آپ سے ایک سوال پوچھ سکتا ہوں؟"

"پوچھو" اس نے کہا۔

"اس روز تم نے مجھے کمرے سے نکل بھاگنے کا موقعہ کیوں دیا تھا؟"

"اس لئے کہ مجھے تمہاری حالت پر رحم آگیا تھا!" چترا نے سامنے سڑک پر نگاہیں جمائے ہوئے جواب دیا۔

"صرف رحم؟"

"ہاں!"

"وہ رحم کچھ اور آگے نہیں بڑھ سکتا؟"

"کیا مطلب؟" چترا نے ایک چھچھلتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"میری زندگی تمہارے رحم و کرم پر ہے" امر نے لجاجت بھرے لہجہ میں کہا "تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں ایک عرصہ سے تمہیں دیوی کی طرح پوجتا آرہا ہوں۔ میری زندگی کا واحد مقصد صرف تم ہو۔ تم اگر چاہو، تو میری زندگی جنت بنا سکتی ہو۔ چاہو تو جہنم ——— اگر تمہارے دل میں اس روز میرے لئے رحم پیدا ہوا تھا تو کیا اب نہیں ہو سکتا؟ تمہاری توجہ اور محبت سے میری اُجڑی ہوئی زندگی میں بہار آسکتی ہے۔ بولو کیا تم میری زندگی پر رحم کھا سکو گی؟ میں محبت نہیں چاہتا صرف تمہارا رحم چاہتا ہوں۔"

چترا نے ایک بار پھر اس کی جانب ترچھی نظر سے دیکھا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"یہ مکالمے کون سے ناولوں میں پڑھے تھے؟"

"یہ مکالمے مجھے زندگی کے اس ناول نے سکھائے ہیں جو زمانے کی بے رحم دستبرد سے مٹ چکی ہے۔"

"بہت خوب ——— بہت خوب" چترا نے ایک موڑ پر اسٹیرنگ وہیل

گھبراتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"اتنی ستم ظریف تو نہ بنو چترا ——"

"تم بھی تو کچھ سمجھداری کی باتیں کرو امر" چترا نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا "محبت کوئی ایسی چیز نہیں جو تم کہا کہ کسی کو بھیک کے طور سے دی جائے۔ محبت ایک قدرتی جذبہ ہوتا ہے جو بغیر مانگے پیدا ہوتا ہے۔"

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔"

"پھر بھی تم بچوں والی باتیں کرتے ہو۔"

"دراصل تم میرا مقصد نہیں سمجھیں۔" امر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "واقعہ یہ ہے کہ اس روز کے بعد جب تم نے مجھے گھر سے نکل جانے کا موقعہ دیا تھا میرے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا ہے کہ تمہارے دل میں میرا کچھ نہ کچھ خیال ضرور ہے۔ اسی خیال کو میں محبت سمجھتا ہوں۔ اور تم اسے رحم کا نام دیتی ہو۔"

چترا چند لمحوں تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال درست ہو اور ہو سکتا ہے غلط ہو۔"

"اسی لئے تو میں کسی قطعی نتیجے پر پہنچنا چاہتا ہوں —— میں تم سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا تمہارے دل میں ایک غریب اور بدنصیب کیلئے کچھ گنجائش ہے؟ کیا تم مجھے محبت کرنے کی اجازت دے سکتی ہو؟ یا نہیں بلکہ کیا تم میری ہمت افزائی کر سکتی ہو؟"

"دیکھئے مسٹر امر ——" چترا نے سامنے سڑک پر نگاہیں جماتے ہوئے جواب دیا "میں صاف صاف ساری بات تمہیں بتا دینا چاہتی ہوں —— سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ محبت ایک بے اختیاری چیز ہے جسے نہ کسی کے کہنے سے شروع کیا جا سکتا ہے اور نہ ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے صاف صاف ظاہر ہے

اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میں اسے ختم کرنے یا جاری رکھنے کے بارے میں کچھ
نہیں کہہ سکتی۔ یہ تو تمہارے اپنے جذبات پر منحصر ہے —— رہا میرے متعلق تو اتنا
تو میرے دل میں تمہارا کچھ نہ کچھ خیال ضرور ہے۔ لیکن میں خود نہیں کہہ سکتی کہ وہ
کیسا جذبہ ہے —— تم اسے محبت کی ابتدا کہتے ہو اور میں اسے صرف جذبۂ
ترحم سمجھتی ہوں —— اب تم ہی بتاؤ کہ ان حالات میں میں کوئی دو لفظی فیصلہ
کیسے سنا سکتی ہوں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے سینے میں تمہارے بارے میں
جو خیالات ہیں وہ جذبۂ محبت کی ابتدا ہے تو انہیں پرورش پانے دو ——
اور مجھے اپنے آپ کو اچھی طرح سمجھنے دو۔ اس دوران میں تم مجھ سے مل سکتے
ہو۔ میں نہایت آزاد خیال ہوں۔ اگر مجھے یہ یقین ہو گیا کہ واقعی وہ جذبہ جو
میرے سینے میں پرورش پا رہا ہے تمہاری محبت کا جذبہ ہے تو میں غریبی امیری
کے تمام بندھنوں کو توڑ کر تمہاری محبت قبول کر لوں گی —— یہ میرا
وعدہ رہا!

چترا جوں جوں تقریر کرتی گئی امر کے چہرے کا رنگ گرگٹ کی طرح
بدلتا رہا۔ کبھی وہ پسینہ پسینہ ہو جاتا، کبھی رخساروں پر سرخی جھلک آتی اور کبھی
سیاہی پھیل جاتی۔ آخر جب چترا نے آخری فقرہ ادا کیا تو خوشی اور مسرت
کی وجہ سے اس کا چہرہ دمکنے لگا۔

چترا نے اگرچہ اس کی محبت کا قطعی اعتراف نہیں کیا تھا۔ صرف اسے ملنے
جلنے کی اجازت دی تھی اور ایک موہوم سا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اتنے ہی سے امر
کو اس قدر مسرت حاصل ہوئی جیسے چترا نے اس کی محبت کا اعتراف کر لیا ہو۔
اس کے سینے میں جذبات کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ پہلو
میں بیٹھی ہوئی اس گڑیا کو سینے سے چمٹا لے۔ اور بے تحاشہ پیار کرنا شروع

کر رہے۔ شاید کوئی تنہائی کی جگہ ہوتی تو وہ اس دیوانگی پر بھی اتر آتا لیکن اسٹیئرنگ کا معاملہ تھا اس لئے خاموش رہا اور بمشکل اپنے بھڑکتے ہوئے جذبات پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"چترا دیوی ۔۔۔ اگرچہ آپ نے محبت کا اعتراف نہیں کیا لیکن آپ کے ان چند امید افزا الفاظ نے ہی مجھے نئی زندگی بخش دی ہے مستقبل کا وہ گھور اندھیرا جو میری روح پر چھایا ہوا تھا اب اس اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن جھلملانے لگی ہے۔"

یونیورسٹی قریب آگئی تھی اس لئے چترا نے کار روک دی اور کہا۔

"اچھا ۔۔۔ میں تو اب یونیورسٹی جاؤں گی ۔۔۔ شام کو چار بجے میں یہاں سے جاتی ہوں پھر کسی دن تم مجھے اسی جگہ مل سکتے ہو ۔۔۔ شام کو مجھے فرصت ہوتی ہے۔"

امر نے چترا کا اسٹیئرنگ وھیل پر رکھا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور آہستہ سے اسے دباتے ہوئے بولا۔

"میں تمہاری ان عنایتوں کو کبھی نہیں بھول سکتا چترا۔ آج میری زندگی کا سب سے حسین دن ہے۔"

چترا نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش نہ کی۔ دونوں کی نگاہیں ایک لمحہ کے لئے ملیں ۔۔۔ امر نے چاہا کہ کم از کم جھک کر چترا کا ہاتھ ہی چوم لے لیکن پھر اس کی ناراضگی کے خوف سے رُک گیا۔ اور "او دا ع" کہہ کر جلدی سے کار سے اتر گیا۔

چترا کار اسٹارٹ کر کے یونیورسٹی چلی گئی اور وہ دیوانوں کی طرح سڑک پر کھڑا پیچھے اُڑتی ہوئی دھول کو دیکھتا رہ گیا۔

..

باب پنجم

ایک ہفتہ تک اجرا اپنے دفتر کے کاموں میں اس قدر الجھا رہا کہ شام تک چھ بجنے سے پہلے اسے فرصت نہ مل سکی۔ چترا کو اس سے ملنا اس لیے مشکل سا معلوم ہوا کہ وہ چترا کی یونیورسٹی کا وقت ہوتا تھا پھر خود اسے بھی دفتر پہنچنے کی جلدی ہوتی تھی۔

اب وہ کسی حد تک مطمئن اور پرسکون تھا۔ چترا کے چند امید افزا الفاظ نے اس کی ہمت بندھوں کا سا کام کیا تھا۔ جنہوں نے اس کے دل و دماغ میں اٹھتے ہوئے بگولوں کی گرد کو بٹھا دیا تھا۔ اب اس کے سامنے ایک سیدھا راستہ تھا یعنی کسی طرح وہ چترا کے جذبات میں برانگیختگی پیدا کر سکے جو اب تک ہو گیا تو چترا اس کی تھی۔ وہ اس کے خیالات کو جذبہ محبت میں تبدیل کرنا چاہتا تھا جنہیں وہ جذبہ ترحم کہتی تھی۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب چترا پر اپنی محبت کی بشارت کا اثر ڈال سکے — اسے بتا سکے کہ وہ اسی کی خاطر

کیونکہ وہ بیوی کی قربانی کو قبول کر سکتا ہے۔ بڑی سے بڑی مصیبت برداشت کر سکتا
ہے مگر دوسرے لفظوں میں خود کو اسکا جیون ساتھی بننے کے قابل بھی بنانا چاہیئے۔
انہیں تمام باتوں کی روشنی میں اسے اپنی نئی زندگی کا لائحہ عمل
بنانا تھا ـــ چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک
پرائیویٹ کالج میں داخلہ لے کر اپنی تعلیم پھر سے جاری کر دی۔ لاہور میں وہ
انٹرمیڈیٹ کا امتحان دینے والا تھا کہ فسادات شروع ہو گئے۔ اور اس کی تعلیم
نامکمل رہ گئی۔ اس نے سوچا کہ پرائیویٹ طور پر تیاری کر کے بی اے وہ دو سال
میں بھی پاس کر لے گا۔ اور اگر حالات سازگار رہے تو اس کے دو سال بعد
ایم اے کرنا بھی کچھ مشکل نہ رہے گا۔

ایک ہفتہ بعد اس نے دفتر سے دو گھنٹے پہلے چھٹی لے لی۔ اور چترا سے
ملنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ یونیورسٹی شہر سے چھ سات میل دور تھی۔ اس کی جیب
میں اس روز چند آنے ہی تھے جو اس نے رات کے کھانے کے لئے بچا لیئے تھے۔ لیکن
چترا سے ملنا اس کی نگاہ میں کھانے کے مقابلہ میں زیادہ قیمتی تھا۔ اس لئے اس نے وہ
پیسے بس میں خرچ کر دیئے۔ اور عین اس جگہ پہنچ کر اتر گیا جہاں چترا نے اسے
چھوڑا تھا۔

سوا چار بجے کے قریب اسے چترا کی سیاہ کار آتی نظر آئی ـــ اس
نے ذرا آگے بڑھ کر گاڑی روکنے کے لئے ہاتھ اٹھا دیا۔ چترا اسے دیکھ کر
مسکرائی اور کار روک دی۔

وہ گاڑی میں بیٹھ گیا تو چترا نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔
"کئی دن کے بعد نظر آئے ہو؟"
"دفتر کے کاموں میں الجھا ہوا تھا۔" امر نے جواب دیا۔ "آج بھی بمشکل

فرصت حاصل کر کے آیا ہوں"۔

"کہاں چلو گی؟"

"جہاں تمہاری مرضی آئے لے چلو" امر نے کہا۔

چترا نے کار کا رخ موڑ دیا اور شہر جانے والی سڑک کی بجائے ایک دیہاتی سڑک پر گاڑی ڈال دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ شہر سے دور کھلے ہوئے میدان میں نکل آئے۔ میلوں دور پھیلے ہوئے سرسبز کھیت لہلہا رہے تھے۔ دیہاتوں کے کچے کچے جھونپڑے کھیتوں کے بیچ عجیب بھلے لگ رہے تھے۔ امر کھڑکی سے باہر کھلے میدانوں کے اس دلفریب منظر میں کھو گیا ۔۔۔ موٹر کچی سڑک پر دھول اڑاتی ہوئی دوڑتی رہی۔ ایک گھنٹہ یونہی بیت گیا! ذرا دیر سے آئی تھی۔ وہ موسم سرما تھا اس لئے سورج غروب ہونا شروع ہو گیا۔ دور افق میں جہاں زمین آسمان مل رہے تھے ایک بہت بڑا سرخ آگ کا گولہ زمین میں دھنستا ہوا محسوس ہونے لگا ۔۔۔ اور فضا میں چاروں طرف لالی سی چھا گئی۔ جیسے فطرت کی دیوی اپنے کسی پجاری سے حسن کی تعریف سن کر شرما گئی ہو۔

سرسبز کھیتوں کے درمیان ایک چھوٹی سی جھیل تھی۔ چترا نے جھیل سے کچھ فاصلے پر گاڑی روک دی اور بولی۔

"آؤ جھیل کے کنارے کچھ دیر بیٹھیں گے۔"

امر نشہ میں مست ہو رہا تھا۔ آج اسے دوگونہ کیفیتیں حاصل تھیں ایک تو چترا کا اس درجہ قرب اور تنہائی اور دوسرے منظر کی پرکیفی ۔۔۔ وہ فوراً کار سے اتر پڑا۔ ساتھ چلتے ہوئے اس نے چترا کا ملائم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ چترا نے کوئی اعتراض نہ کیا ۔۔۔

جھیل کے کنارے ایک بڑا تناور برگد کا درخت کھڑا تھا جس کی لانبی لانبی جٹائیں ناگنوں کی طرح بل کھاتی ہوئی لٹک رہی تھیں ——
وہ دونوں برگد کے درخت تلے زمین پہ بیٹھ گئے۔

سورج کا آتشیں گولا نصف کے قریب زمین میں دھنس چکا تھا۔ جھیل کی چھوٹی چھوٹی لہریں مچھلیوں کی طرح تڑپ رہی تھیں۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی گلابی کرنوں نے پانی میں گلال سا گھول دیا تھا۔ آسمان پہ کہیں کہیں بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ جن کی سیاہی اور سفیدی سرخی کے امتزاج سے بڑی دلکش ہو گئی تھی۔

"آج تو فطرت دلہن بنی ہوئی ہے۔" امر نے شاعرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں — آج کا منظر بہت دلفریب ہے" چترا نے جواب میں کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سارے زمانے کا حسن آج اس جگہ سمٹ آیا ہے۔"

"ہاں آج سارے زمانے کا حسن میرے پہلو میں سمٹ آیا ہے۔" امر نے یہ کہتے ہوئے نگاہیں چترا کے چہرے پہ گاڑ دیں۔

چترا کا چہرہ سرخ ہو گیا — اس نے کہا۔

"تم کافی جذباتی انسان ہو۔"

"جذبات ہی کا دوسرا نام زندگی ہے چترا دیوی۔"

"تم یہ تکلف کیوں برتتے ہو؟ — سیدھی طرح مجھے چترا ہی کیوں نہیں کہتے —؟"

"مجھے ڈر لگتا تھا کہ کہیں تم خفا نہ ہو جاؤ۔"

"اس کے معنی یہ ہیں کہ کچھ بزدل بھی ہو۔" چترا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"حسن کے سامنے بڑے بڑے بہادر سر جھکا دیتے ہیں۔ تاریخ اس

کی شاہد ہیں۔ پھر مجھے بھی چاہئے کہ کیا اہمیت ہے جبکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم ایک جج کی بیٹی ہو۔ اور میں ساٹھ روپے ماہوار کا کلرک ۔"

"اس کے باوجود امید ہے کہ تم نے بڑی بلندی پہ نگاہ رکھی ہے۔"

"میرا قصور نہیں۔" اس نے معصومیت کے لہجے میں کہا۔ "اس کمبخت دل کا قصور ہے۔"

چترا اس کی سادگی اور بھولے لہجے پہ ہنس پڑی۔ امر کو اس کی بے تکلفی سے جرأت ہوئی۔ اس نے چترا کا ہاتھ اپنے گود میں رکھ لیا اور اس کے سینے پہ پڑی ہوئی چوٹی سے کھیلتے ہوئے بولا۔

"ایک بات بتاؤ۔"

"پوچھو۔"

"کبھی تنہائی میں تمہیں میرا خیال آتا ہے؟"

"اکثر ــــ"

"پھر بھی تم یہ سمجھتی ہو کہ تمہارے یہ جذبات محبت کے جذبات نہیں ہیں۔"

"میں اس بارے میں ابھی تک کسی فیصلہ کن نتیجے پہ نہیں پہنچ سکی۔"

"آخر کب تک پہنچو گی؟"

"جب مجھے اپنے خیالات کا صحیح علم ہو جائے گا۔"

"عجیب بات ہے ــــ تمہارے خیالات ہیں تمہارے جذبات ہیں اور تم انہیں سمجھ نہیں سکتی ہو۔"

"شاید ــــ!"

"اچھا جب تک تم کسی صحیح نتیجے پہ نہیں پہنچتیں ایک التجا کروں؟"

"کہو ــــ"

"تم تو سوال پوچھو گی تو نہیں؟"

"یہ تو سوال پر منحصر ہے"

"مجھے اپنے ان عنابی ہونٹوں کو ایک بار چومنے کی اجازت دے دو"

جبرا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ایک لمحہ تک اسے گھورتی رہی۔ پھر اپنا ہاتھ اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

"تم میرا ہاتھ چوم سکتے ہو۔"

"نہیں — ہاتھ نہیں — صرف ہونٹ"

"مجھے افسوس ہے" جبرا نے کہا "میں اس قدر آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتی"

"صرف ہونٹ چومنا میری شدید محبت کی توہین ہے" اس نے اس کا ہاتھ آہستہ سے ایک طرف ہٹا دیا۔

"تم عجیب شخص ہو" جبرا نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا "تمہیں شاید علم نہیں کہ تم پہلے مرد ہو جسے میں نے اس قدر آگے بڑھنے کی اجازت دی ہے"

"شکریہ — لیکن میں محبت میں یہ ناپ تول پسند نہیں کرتا — جذبات ان قیود کو پسند نہیں کرتے"

"لیکن تم بھول رہے ہو — میں نے ابھی تک محبت کا اعتراف نہیں کیا ہے"

"بہت بہتر — آئندہ میں اس قسم کا کوئی سوال نہیں کروں گا جب تک..."

وہ خاموش ہو گیا۔ جبرا نے پوچھا۔

"جب تک کیا —؟"

"جب تک خود تمہاری طرف سے اس قسم کی خواہش ظاہر نہ ہو جو میں نے ابھی ظاہر کی تھی۔"

"اچھا جی ——" اس نے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم کو بڑی خوش فہمیاں ہیں۔"

"ہاں ——" امر نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک روز میرا جذبۂ محبت ضرور رنگ لائے گا —— میرے دل کی آگ تمہارے دل کے اس پتھر کو بھی ضرور پگھلا دے گی۔ اور جب یہ پتھر پگھل جائے گا، جب تمہاری سرد مہری گرمجوشی میں بدل جائے گی، جب تمہارے پندار کا یہ جھوٹا طلسم ٹوٹ جائے گا۔ اس وقت مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے زیادہ اس بات کی خواہشمند ہو گی۔"

"شاباش ——" چترا نے مذاق میں تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔ "اب پتہ چلا کہ تم کافی صابر و شاکر ہو لیکن افسوس ہے کہ جرأت کی کمی ہے۔"

"جرأت کی کمی نہیں ہے چترا ——" امر نے جواب دیا۔ "تم جانتی ہو، اس وقت تنہائی ہے —— تم میرے پہلو میں ہو —— اگر میں چاہوں تو تمہیں پکڑ کر جبراً تمہارے ہونٹ چوم سکتا ہوں۔ تمہارے رخساروں پر دہکتے ہوئے بوسوں کے نشان ڈال سکتا ہوں۔ لیکن یہ میرے جذبۂ محبت کی کمزوری کی دلیل ہو گی۔ اگر میری محبت میں قوت اور شدت ہو گی تو وہ تمہیں مجبور کر دے گی کہ تم ...."

"بس بس۔ آگے مت کہو —— میں سمجھ گئی۔" چترا نے ہنس کر کہا۔ "تم اس وقت کا انتظار کرو جب تمہاری محبت مجھے تمہارے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے —— اگر ایسا ہوا تو میں نہایت صفائی کے ساتھ اپنی شکست کا اعتراف کر لوں گی۔"

اب سورج غروب ہو چکا تھا۔ ہلکی سیاہی چاروں طرف پھیلنے لگی تھی لیکن

آسمان ابھی تک سرخ تھا — وہ دونوں خاموش بیٹھے تھے۔ چترا چھوٹی چھوٹی
کنکریاں جھیل میں پھینک رہی تھی۔ ہر کنکری کے ساتھ پانی میں ایک دائرہ بنتا
اور پھیل جاتا۔ امران دائروں کو دیکھتا رہا۔ اس کے ذہن میں بھی اسی قسم کے
دائرے بن بن کر پھیل رہے تھے — چترا کے الفاظ کنکریاں بن کر اس کے پگھلے
ہوئے ذہن کی سطح پر برس رہے تھے اور ننھے ننھے چھوٹے بڑے دائرے بن
بن کر پھیل رہے تھے۔ وہ امید و بیم کی کشمکش میں الجھا ہوا تھا۔ وہ چترا کے جذبات
کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت اگر وہ زبردستی چترا کو آغوش
میں لے کر اس کے ہونٹ چوم لے تو وہ برداشت کر لے گی — لیکن اخلاق اور
محبت کا احترام اس کے لئے ایک بڑی شے تھی۔ وہ اپنے کسی فعل سے محبت
کی توہین کرنا جرم سمجھتا تھا۔ وہ محبت کے مقناطیسی اثر کا قنوطیت کی حد تک قائل
تھا۔ اسے سو فیصدی اس شعر پر یقین تھا کہ

جذبۂ عشق سلامت ہے تو انشاءاللہ
کچے دھاگے سے کھنچے آئیں گی سرکار مری

یہ یقین اس لئے اور بھی پختہ ہو گیا تھا کہ چار سال بعد چترا جب اس سے ملی
تو وہ پہلے سے زیادہ اس کے قریب آ گئی تھی۔ لاہور میں تو اسے کبھی چترا سے بات
کرنے کی بھی جرأت نہ ہو سکی تھی لیکن یہاں وہ کافی آگے بڑھ چکا تھا۔ چترا نے
پہلی نظر میں ہی اسے پہچان لیا تھا۔ اسے ملنے جلنے کی اجازت دے دی تھی۔ تنہائی میں
اس کے اس گستاخانہ سوال کا برا نہیں مانا تھا بلکہ اپنا ہاتھ پیش کر دیا تھا — ان
سب باتوں سے وہ یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ چترا کے دل میں اس کی محبت ضرور ہے
گو وہ ابھی بہت کم ہے — جس پر خود چترا کے غرور اور اس کی سماجی شخصیت کا
پردہ پڑا ہوا ہے — لیکن اسے یقین تھا کہ ایک روز یہ پردہ ضرور چاک ہو جائے گا

اور وہ محبت بے نقاب ہو کر سامنے آ جائے گی۔ اس وقت یقیناً چترا کو اپنی شکست کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ وہ چترا کے معاملہ میں بہت زیادہ سنجیدہ تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ تیز دوڑنے والے اکثر گر پڑتے ہیں۔ میانہ روی سے آدمی منزل تک بہ آسانی پہنچ سکتا ہے۔ وہ چترا کو اپنا جیون ساتھی بنانا چاہتا تھا۔ اس لئے پہلے وہ خود کو چترا کے قابل بنانا چاہتا تھا ۔۔۔ اور پھر چترا کو اپنے قابل بنانا چاہتا تھا ۔۔۔ یہی وجہ تھی کہ وہ محبت کی ان ابتدائی منزلوں کو جو جذبات کی آگ بھڑکانے میں بارود کا کام کرتی ہیں، جلدی جلدی طے کرنا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ بہت سوچ سمجھ کر ہر قدم اٹھانا چاہتا تھا ۔۔۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے وقتی اور موقعہ حاصل ہونے کے باوجود جرأت رندانہ سے کام لینا مناسب نہ سمجھا۔ وہ آہستہ آہستہ چترا کو اس کے غرور کی بلندی سے اتار کر اپنے قریب لانا چاہتا تھا۔

تاریکی چاروں طرف پھیل گئی تو چترا نے کہا۔

"کیا واپس چلیں؟"

"تمہاری مرضی ہے ۔۔۔ میں اپنی زبان سے کیسے کہوں؟"

"کیوں! ۔۔۔ کیا تم خاموش بیٹھے بیٹھے اکتا نہیں گئے ہو؟"

"تمہاری موجودگی میں اکتاہٹ کا کیا کام ۔۔۔ اگر تم اسی طرح میرے سامنے بیٹھی رہو تو میں ساری زندگی خاموشی میں گذار سکتا ہوں۔ تمہاری قربت مجھے ایک ایسی دنیا میں پہنچا دیتی ہے جہاں بے کیفی اور اکتاہٹ نام کو بھی نہیں۔"

"تم افسانے کیوں نہیں لکھنا شروع کر دیتے؟" چترا نے ہنس کر کہا۔ "اتنے

اچھی بات بنا لیتے ہو کہ معلوم ہوتا ہے کسی افسانے کے خوبصورت ٹکڑے پڑھ کر سنا رہے ہو۔"

"اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میں واقعی افسانہ نگار بن سکتا ہوں تو ضرور کوشش کروں گا۔"

"لیکن بھگوان کے لیے شاعری کی طرح وہ افسانے میرے نام سے چھپوانے کی کوشش مت کرنا۔"

"اطمینان رکھو۔ میں تمہاری خواہش کے بغیر کوئی کام بھی نہیں کر سکتا۔"

"اچھا اب چلو — ممی انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"جیسی تمہاری مرضی ہو۔" امر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں موٹر کی جانب چل پڑے۔ راستے میں پھر امر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ شام کی ملگجی تاریکی دور تک میدانوں کو نگل چکی تھی۔ افق میں اب سرخی کا نشان باقی رہ گیا تھا، سوا کچھ نہیں تھا۔ کھلی ہوئی جگہ ہونے کی وجہ سے امر کو سردی زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس نے صرف ایک قمیض اور ایک سویٹر پہن رکھا تھا۔ گرم کوٹ خریدنے کے لیے ابھی امر کے پاس پیسے نہیں تھے۔ چترا نے گرم کوٹ اور سویٹر پہن رکھا تھا۔

سردی کی وجہ سے امر کا جسم کپکپانے لگا — چترا نے محسوس کر لیا۔

وہ بولی —

"سردی لگ رہی ہے؟"

"ہاں — کھلی ہوئی جگہ ہے نا۔"

"شام کے وقت کوٹ پہن کر آنا چاہیئے تھا۔"

"کوٹ ہے ہی نہیں۔" امر نے جواب دیا۔

"شہر تک میرا کوٹ پہن لو۔"

"شکریہ — اس کی ضرورت نہیں۔"

"کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے۔" چترا نے تشویش ظاہر کی۔

"فکر مت کرو۔ میں ابھی مر نہیں سکتا۔ میری آرزوئیں میری روح کو جسم کے ساتھ جکڑے ہوئے ہیں۔"

وہ خاموش ہو گئی — دونوں کار میں آکر بیٹھ گئے۔ کھڑکی کے شیشے چڑھا کر چترا نے کار اسٹارٹ کر دی۔

راستے بھر دونوں خاموش رہے۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد چترا نے پوچھا

"تمہیں کہاں چھوڑ دوں؟"

"جہاں تم اپنے لئے سہولت سمجھو۔"

"تمہارا کمرہ کس جگہ ہے؟"

"اجمیری گیٹ کے باہر۔"

"بس تو ادھر ہی سے ہو کر نکل جاؤں گی۔" چترا نے کہا اور کار کا رخ موڑ دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ اجمیری گیٹ پر پہنچ گئے۔ امر نے ایک مکان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس مجھے یہیں اتار دو۔ سامنے والے مکان کی دوسری منزل میں میرا کمرہ ہے۔"

چترا نے کار روک لی۔ امر اتر گیا۔ اور چترا کو الوداع کہہ کر اپنے مکان کی طرف چل پڑا۔

وہ دس قدم ہی گیا ہوگا کہ چترا نے آواز دی۔

"امر!"

وہ پلٹ پڑا۔ اور پھر واپس اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"کہئے"

"میں بھی تمہارا کمرہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ اگر تمہارے ساتھ چلوں تو تمہیں اعتراض تو نہ ہوگا؟"

"اعتراض کیا؟" امر نے مسکرا کر کہا۔ "یہ تو میری خوش نصیبی ہوگی۔"

"اچھا ٹھہرو۔ میں بھی چلتی ہوں۔"

چترا نے کہا۔ اور جلدی سے کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ مکان کی جانب چل پڑے۔ اندر داخل ہو کر تاریک زینے پر چڑھتے ہوئے امر نے چترا کا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔

"سنبھل کر آؤ"

"میں ٹھوکر تو نہیں کھاتی جاتی"

"اندھیرا جو ہے۔ آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔" اس نے اندھیرے میں چترا کا ہاتھ دباتے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں۔" چترا نے کہا۔ "اگر میں ٹھوکر کھا کر گرنے لگوں تو تم مجھے سہارا دے دینا۔"

"کیونکہ ایسے وقت آئے کہ تم ٹھوکر کھا کر گرو۔"

"تو کیا تم مجھے سہارا نہ دو گے؟"

"میں ہر وقت تمہارا سہارا بننے کے لئے تیار ہوں چترا ۔۔۔ خواہ تم مجھ سے کتنی ہی لاپرواہ رہو۔"

دوسری منزل پر کچھ روشنی تھی ۔۔۔ زینے کے بائیں ہی امر کا کمرہ تھا۔ اس نے چترا کو بتایا۔

"یہ میرا کمرہ ہے ـــــ اس کی چابی ہر وقت دروازہ کے اوپر والی اس جالی میں رکھی رہتی ہے۔"

"کیوں ـــ یہاں کیوں رکھتے ہو ـــ؟" چترا نے کہا: "اگر کوئی دوسرا شخص کھول کر کچھ لے جائے تو؟"

"اندر کچھ ہو سکا تو لے جائے گا۔" امر نے ہنس کر کہا "چار پھٹے پرانے کپڑوں اور چند کتابوں کے سوا وہ میرے کمرے میں ہے ہی کیا؟"

جالی میں سے چابی اٹھا کر اس نے تالا کھولا اور دونوں ہاتھوں سے دروازہ کھول کر ذرا ڈرامائی انداز میں بولا۔

"وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں"

چترا نے مسکرا کر ایک نظر میں سامنے کمرے کا جائزہ لیا۔ ایک چارپائی سامنے پڑی تھی۔ اس کے سرہانے بانس کی بنی ہوئی ایک میز رکھی تھی جس پر چند کتابیں بے ترتیبی سے بکھری ہوئی تھیں۔ ایک کونے میں ایک ٹوٹی ہوئی الماری تھی جس میں کچھ پرانی کتابیں رکھی تھیں اور ایک ٹوٹا ہوا صندوق رکھا تھا ـــ بس کمرے کی یہ کل کائنات تھی۔

کمرے میں جگہ جگہ گرد جمی ہوئی تھی۔ پھٹے ہوئے کاغذوں کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔

چترا نے کہا۔

"تم کمرے کی صفائی کیوں نہیں کرتے؟"

امر بولا۔۔۔

"اوّل تو فرصت نہیں ملتی ـــــ دوسرے یہ کمرہ تنہائی میں مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ اس لئے میں یہاں سونے کے وقت کے سوا بہت

کمرہ رہتا ہوں۔"

"ہوں ــــ" چترا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب میں چلتی ہوں۔ پھر کسی دن اسی وقت یونیورسٹی آجاؤ گے تو ملاقات ہوگی۔"

"بیٹھو گی نہیں ــــ"

"نہیں ــــ بس شکریہ! ــــ ممی کھانے پر راہ دیکھیں گی۔" چترا نے جواب دیا۔

ہرنے اصرار نہیں کیا ــــ وہ چترا کے ساتھ نیچے گیا اور اسے موٹر تک چھوڑ کر واپس اپنے کمرے میں آگیا ــــ

باب ۴

یہ چیترا سے ملاقات کے تین دن بعد کا واقعہ ہے۔ وہ صبح نو بجے کمرے سے نکل کر دفتر چلا گیا۔ دن بھر کاموں میں مصروف رہا۔ رات کو ہوٹل میں کھانا کھا کر کمرے پہ واپس آیا تو حیران رہ گیا ——

پہلے تو اسے شک ہوا کہ وہ کسی اور کے کمرے میں تو نہیں آ گیا ہے —— لیکن جب ساری چیزیں اپنی ہی نظر آئیں تو وہ سوچ میں پڑ گیا کہ میرے پیچھے کمرے میں کون آیا ہے؟ کمرہ آج غیر معمولی طور پہ صاف اور ترتیب میں تھا —— فرش پہ صفائی کی گئی تھی —— بستر اہتمام کے ساتھ بچھا ہوا تھا۔ الماری میں کتابیں قرینے سے لگی ہوئی تھیں —— میز پہ کتابیں ترتیب سے رکھی تھیں

"آخر کون آیا تھا میرے کمرے میں" اس نے پریشان ہو کر خود سے سوال کیا ... پھر خود ہی جواب دیا "کیا چیترا آئی تھی ——؟" کیونکہ اس کے علاوہ کسی کو اس کی ذات سے دلچسپی نہیں تھی —— نہ ہی کسی کو یہ معلوم تھا کہ چابی

کھلی رہتی ہے۔

میز کے قریب گیا تو اُسے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔۔ ایک کتاب میں ذرا سا کاغذ باہر کو نکلا ہوا تھا۔۔ اس نے کاغذ نکال کر دیکھا تو اس پر یہ چند سطور لکھی تھیں :-

امر ....

دس بجے میں تم سے ملنے آئی تھی لیکن ملاقات نہ ہو سکی۔
شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے صفائی کر دی ہے
کیونکہ گندگی صحت کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔ تمہیں اپنی صحت
کا خیال رکھنا چاہیئے۔

چترا

خط اگرچہ رسمی سا تھا۔ لیکن اس سیدھے سادے خط میں بھی کس قدر لگاوٹ تھی۔ اسے صرف امر کا دل ہی محسوس کر سکتا تھا۔ وہ خوشی کے مارے دیوانوں کی طرح ناچ اٹھا۔۔ اور بے اختیار گنگنانے لگا۔

محبت گرم گرم آنسو، محبت سرد سرد آہیں
الٰہی ساری دنیا کو یہی آزار ہو جائے

اس کے اندازے درست ہوتے جا رہے تھے۔ چترا نے اپنے ہاتھ سے اس کا کمرہ صاف کیا تھا۔ چترا کو اس کی صحت کا خیال تھا۔ بھلا اتنی باتیں صرف جذبۂ ترحم کے زیر اثر کیسے ہو سکتی تھیں۔ یقیناً چترا اس سے محبت کرتی ہے۔ لیکن اپنے غرور کی وجہ سے اعتراف کرنا نہیں چاہتی۔

آج وہ بہت خوش تھا۔ اسی وجہ سے بستر پر لیٹنے کے بعد اسے پہروں نیند نہ آسکی۔ فرطِ مسرت نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ آج اُسے پہلی بار علم ہوا

کہ صرف غم و فکر ہی نیند کے دشمن نہیں ہیں۔ بلکہ خوشی بھی آنکھوں سے نیند
چرا لیتی ہے ـــــ آج اسے وہ کہانی حقیقت معلوم ہونے لگی جس میں بتایا گیا
تھا کہ ایک شخص جو بیس سال تک جیل کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرتے
رہا ہوا تھا۔ جب اسے ایک مہربان شخص نے رات کو سونے کے لئے ایک گدگدا اور
آرام دہ بستر دیا تو وہ سو نہ سکا ـــــ اس کا جسم جو پتھریلی سخت زمین کا
عادی ہو چکا تھا بستر کی نرمائی اور لطافت کو برداشت نہ کر سکا اور وہ رات بھر
بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔

اسی طرح امر بھی صبح تک کروٹیں بدلتا رہا ـــــ وہ رنج و غم کا عادی
ہو چکا تھا۔ اس لئے یکایک خوشی اسے راس نہ آئی۔ اور وہ رات بھر بے چینی
سے کروٹیں بدلتا رہا۔

اسی طرح واقعات کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے چھ ماہ کا عرصہ
گذر گیا۔ اس دوران میں اگرچہ چترا اس کے بہت قریب آ گئی لیکن اس نے اپنی
شکست کا اعتراف نہ کیا۔ وہ ہمیشہ یہی کہتی رہی کہ میں تمہارے لئے جو کچھ کرتی
ہوں صرف جذبۂ رحم سے مجبور ہو کر کرتی ہوں اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

اکثر وہ اس کے کمرے کی صفائی کر جاتی ـــــ اس کے لئے تحفے لاتی ـــــ
کبھی کبھی چھوٹی موٹی مالی امداد بھی دیتی۔ جب وہ قبول کرنے سے انکار کرتا تو وہ خفا
ہونے کی دھمکی دیتی۔ جس سے امر کو مجبور ہو جانا پڑتا ـــــ وہ دونوں تنہائی
میں گھنٹوں باتیں کرتے رہتے۔ سیاست پر بحثیں ہوتیں ـــــ فلسفے بیان کئے
جاتے ـــــ سماج پر تنقیدیں کی جاتیں ـــــ لیکن اس سے زیادہ کچھ نہ ہوتا۔

چترا نے ایک مرتبہ بھی محبت کا اعتراف نہ کیا۔ ایک دو بار جذبات سے مجبور ہو کر امر نے پھر اس سے پیار کرنے کی اجازت مانگی۔ لیکن ہر بار چترا نے اپنا ہاتھ پیش کر دیا جسے امر نے قبول نہ کیا۔

اس دوران میں امر کی تعلیم بھی برابر جاری رہی ــــ وہ چترا کو حاصل کرنے کے لئے ہر طرح سے خود کو اس کے قابل بنانا چاہتا تھا ــــ مستقبل کے لئے اس نے بڑے بڑے خوش رنگ خواب بُن لئے تھے۔ جن کے تانوں بانوں میں وہ اپنے خون سے ڈورے رنگ کر لگا رہا تھا۔ اس نے اپنے مستقبل کو روشن بنانے کے لئے کچھ دیئے جلائے تھے جن میں وہ تیل کی جگہ اپنا خون بھر رہا تھا یہ اس کے لئے سخت صبر آزما وقت تھا۔ چترا اس کے لئے ابھی تک ایک معمہ سے کم نہیں تھی۔ اس قدر بے تکلفی اور قربت کے باوجود آج بھی وہ اس سے اتنی ہی دور تھی۔ اتنے عرصے کے بعد اس نے چترا کی فطرت کے متعلق اندازہ لگایا تھا کہ وہ سخت متلون مزاج لڑکی ہے۔ اس کے جذبات میں سمندر کی سی لہریں اُٹھتی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی وہ مجسم محبت نظر آتی۔ امر پر اس کی عنایتیں غیر معمولی طور پر بڑھ جاتیں ــــ روزانہ اس سے ملنے آتی ــــ اس کے لئے تحفے لاتی ــــ اور کبھی کبھی وہ ہفتوں اس سے نہ ملتی۔ ملتی بھی تو بڑے خشک انداز میں ــــ جلد ملاقات ختم کر دیتی ــــ اس وقت امر کو صاف محسوس ہوتا جیسے وہ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے ــــ وہ لاکھ کوششوں کے باوجود یہ نہ سمجھ سکا کہ آخر اس کے دل میں کس قسم کے جذبات ہیں ــــ کیا واقعی وہ اس پر رحم کھاتی ہے یا محبت کو اس رنگ میں پیش کرتی ہے۔

پھر ایک روز عجیب واقعہ پیش آیا — چترا ایک ہفتہ سے غائب تھی اسے بھی اتنا وقت نہ مل سکا کہ وہ اس سے جا کر مل سکتا — لیکن ایک روز وہ اپنے کمرہ میں واپس آیا تو چترا کا ایک خط اسے سرہانے رکھا ہوا ملا جس میں صرف اتنا لکھا تھا:-

امر.....

مجھے پرسوں شام تک دو سو روپوں کی سخت ضرورت ہے۔

چترا

خط پڑھ کر امر حیران رہ گیا — حیرانی کی بات ہی تھی — چترا اچھی طرح جانتی تھی کہ اسے صرف ساٹھ روپے ماہوار ملتے ہیں۔ جس میں سے مکان کا کرایہ اور تعلیم کا خرچ نکال کر وہ بمشکل دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھا سکتا ہے — پھر اس نے امر سے ایسا سوال کیوں کیا — ؟ خط سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے امر سے دو سو روپے طلب کئے تھے۔

امر نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑائی اور اندازہ لگایا تو اسے محسوس ہوا کہ اگر وہ اپنا سارا سامان بھی فروخت کر دے تو بھی اسے سو روپے سے زیادہ نہیں مل سکتے —

پھر وہ کیا کرے ؟ — یہ ایک سوال سانپ کی طرح پھن پھیلا کر اس کے ذہن پر قابض ہو گیا۔

اسی پریشانی میں وہ ساری رات نہ سو سکا۔ ایک وہ رات تھی جب وہ فرط انبساط کے باعث نہ سو سکا تھا اور ایک یہ رات تھی جس میں نیند الجھنوں کی نذر ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا آخر چترا کو یہ کیا سوجھی — کیا وہ میرا امتحان لینا چاہتی ہے۔ یا وہ آج تک صرف مجھے بیوقوف بناتی رہی ہے —

کیا اس نے یہ چھوٹے چھوٹے تحفے اسی لئے دیئے تھے کہ ایک روز اتنی بڑی رقم کا مطالبہ کر سکے ---

"نہیں --- ایسا نہیں ہو سکتا" خود ہی اس نے اپنی بات کی تردید کر دی۔ "ضرور ایسی نہیں ہے --- ضرور وہ کسی مشکل میں پھنس گئی ہے۔ ڈر کی وجہ سے وہ ماں باپ سے روپیہ نہیں مانگ سکی۔ اس لئے اس نے مجھ سے سوال کیا ہے یہ جان کر کہ میں اس سے قریبی تعلق رکھتا ہوں --- میں اس سے محبت کرتا ہوں --- میں یقیناً اس کی تکلیف سے متاثر ہوں گا اور کسی طرح بھی اس کے لئے روپیہ کا بندوبست کر دوں گا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ روپیہ کا بندوبست کس طرح کیا جائے؟ --- کیا میں چوری کروں؟ --- قرض تو مجھے اتنی بڑی رقم کون دے سکتا ہے؟

اسی پریشانی میں وہ رات بھر نہ سو سکا۔ اس روز دفتر میں بھی اس سے کام نہ ہو سکا۔ ہر بار جب وہ رجسٹر پر کچھ لکھنے لگتا، دو سو روپے کے نوٹ اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم جاتے۔

"صرف ایک صورت ہے" آخر اس نے سوالات سے گھبرا کر خود کو آمادہ کر لیا ---

"وہ کیا --- ؟" اس کے ضمیر نے سوال کیا۔

"بے ایمانی --- جھوٹ ---"

"وہ کیسے ؟" دل نے پوچھا۔

"میں روزانہ دوپہر کو دفتر کا کچھ روپیہ بینک میں جمع کرانے جاتا ہوں۔ آج وہ روپیہ کسی جگہ چھپا کر مالک سے آکر کہہ دوں کہ کسی نے جیب کاٹ لی ہے روپیہ گم ہو گیا۔ مالک یقیناً سخت ناراض ہو گا۔ ممکن ہے نوکری سے بھی الگ

کر دے. لیکن میں اس سے کہہ دوں گا کہ وہ یہ روپیہ تھوڑا تھوڑا کر کے تنخواہ میں سے کاٹتا رہے۔"

تجویز معقول تھی ــــ صرف تھوڑا سا ضمیر کا خون کرنا پڑتا تھا ــــ لیکن وہ چترا کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتا تھا ــــ اس لئے فوراً اس نے اس تجویز پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

دوپہر کو مالک نے اسے بلایا اور ایک سو پچھتر روپے دے کر بینک بھیجدیا۔ آدھے گھنٹے کے بعد ہی اس نے تجویز کے مطابق رونی صورت بنا کر مالک سے آ کر کہہ دیا کہ روپیہ کسی نے جیب سے نکال لیا۔

مالک اگرچہ یہ سن کر سخت ناراض ہوا ــــ اسے برا بھلا بھی کہا۔ لیکن چونکہ سخت سست کہنے سے روپیہ نہ مل سکتا تھا اس لئے صبر کر کے خاموش ہو گیا اور دس روپے ماہوار تنخواہ میں سے کاٹ کر رقم پوری کرنے پر راضی ہو گیا۔ امر کا ضمیر اس گناہ پر اس لئے مطمئن تھا کہ کم از کم اس کی نیت بری نہیں ہے۔ وہ یہ رقم واپس تو کر ہی دے گا۔ صرف حاصل کرنے کے لئے اگر ایک فریب کیا گیا ہے تو وہ حالات کو دیکھتے ہوئے قابل درگزر ہے۔

اب صرف پچیس روپے کا جھگڑا تھا۔ شام کو وہ گھر گیا تو اس نے چترا کے دیئے ہوئے تمام تحفے ایک جگہ جمع کر لئے۔ کچھ اپنی قیمتی کتابیں بھی اس میں شامل کر لیں۔ اور سارا سامان کباڑی بازار میں بیچ آیا ــــ اس طرح بیس روپے اکٹھے ہوئے۔ پانچ روپے کی پھر بھی کمی رہ گئی ــــ وہ پانچ روپے اس نے اپنے ہوٹل والے سے قرض لے لئے ــــ اور دو سو روپے پورے کر کے اگلے روز شام کو یونیورسٹی کے گیٹ پر پہنچ کر چترا کا انتظار کرنے لگا۔

ٹھیک چار بجے چترا کار میں باہر آئی ــــ امر کو دیکھ کر اس نے گاڑی

روک لی اور بیٹھ جانے کا اشارہ کیا — امر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ گاڑی چل پڑی۔ کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے۔ آخر چترا نے کہا۔

"میرا پیچھا مل گیا تھا؟"

"ہاں —"

"پھر؟" اس نے امر کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

امر نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ نوٹوں کی گڈی نکال کر چترا کی جانب بڑھا دی۔ چترا نے ایک نظر نوٹوں کو دیکھا۔ پھر سامنے سڑک کی جانب دیکھتے ہوئے گڈی ہاتھ میں لے لی۔ اور اوورکوٹ کی جیب میں ڈال لی۔

اس نے شکریہ کا ایک لفظ تک ادا نہ کیا۔ البتہ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

"یہ کہاں سے حاصل کئے؟"

"یہ بات معلوم کرنے سے کیا فائدہ؟"

"کیوں؟ — کیا چوری کئے ہیں؟"

"شاید ایسا ہی ہو۔"

پھر چترا نے کچھ نہ پوچھا۔ دونوں خاموش رہے اور کار سیاہ سڑک کے سینے کو روندتی رہی۔ اجمیری گیٹ پر آکر اس نے گاڑی روک لی — امر خاموشی کے ساتھ دروازہ کھول کر نیچے اترا۔ اور خدا حافظ کہہ کر اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔

چترا نے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ چند لمحوں تک اسے جاتے ہوئے گھورتی رہی۔ پھر موٹر اسٹارٹ کر کے چلی گئی۔

امر بستر پہ آ کر گر پڑا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آ رہا تھا۔ چترا کے اس

عجیب وغریب رویّے نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اس نے کتنی مصیبتوں سے وہ
روپیہ جمع کیا اور چترا نے شکریہ کا ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ شاید اگر وہ
روپیہ لے کر نہ جاتا تو آج چترا اُسے موٹر سے دھکا دے کر نکال دیتی ——
آج واقعی اسے اپنی بے بسی پر رونا آ رہا تھا۔ کس قدر بدنصیب تھا وہ کہ محبت
بھی ہوئی تو ایسی لڑکی سے جو اُس کی پہنچ سے بہت دور تھی۔

باب ۵

وہ تین ماہ تک جانے کیوں اس سے اکھڑی اکھڑی سی رہی —
اس سے بہت کم ملی جلی — بہت کم باتیں کیں — پہلے وہ ہفتہ میں ایک دو بار
ضرور اس کے کمرے پر آتی تھی — لیکن اب تین ماہ کے عرصہ میں صرف دو بار آئی
اور وہ بھی چند منٹوں کے لئے — وہ اگر یونیورسٹی گیا تو اسے کار میں بٹھا کر
شہر لائی۔ اور اجمیری گیٹ پر چھوڑ کر چلی گئی — راستے میں اس نے بھی کوئی
بات کر لی تو مختصر سا جواب دے دیا۔ ورنہ خاموشی رہی۔

امر بھی اس قدر صابر تھا کہ اس کے اس ظالمانہ رویہ کے خلاف ایک
حرفِ شکایت بھی زبان پہ نہ لایا۔ خاموشی کے ساتھ اس کی ہر زیادتی سہتا
رہا۔ اسے یقین تھا کہ اگر میری محبت پُرخلوص ہے تو ایک روز یہ جمود ضرور
ٹوٹے گا۔ ایک روز یہ پتھر ضرور پگھلے گا۔

آخر تین ماہ کے بعد پتھر میں ذرا نرمائی پیدا ہوئی۔

اگست کا مہینہ تھا ——— ایک روز شام کو وہ دفتر سے واپس آیا تو میز پر چیترا کا خط رکھا ہوا تھا۔ جس میں لکھا تھا۔

امر.....

میں اس گاڑی سے شملہ جا رہی ہوں۔ اگر تم چاہو تو شملہ آ جاؤ ——— میں روزانہ شام کو ۷ بجے پیرا ڈائز ہوٹل میں مل سکتی ہوں ———

چیترا

امر نے اپنی جیب کا جائزہ لیا تو کل پندرہ روپے تھے۔ جس میں اُسے پورے مہینہ کا گذر کرنا تھا۔ شملہ کا کرایہ بارہ روپے کے قریب لگتا تھا۔ لیکن چونکہ چیترا نے لکھا تھا اس لئے وہ شملہ ضرور جانا چاہتا تھا۔ چاہے اسے باقی مہینہ فاقے کر کے گذارنا پڑے ——— چنانچہ اس نے منٹوں میں فیصلہ کر لیا ——— سب سے پہلے اس نے دفتر میں چھٹی کے لئے ایک درخواست لکھی اور اسی وقت جا کر دفتر کے لیٹر بکس میں ڈال آیا ——— پھر کمرہ پر آ کر اپنا کمبل اٹھایا۔ اور اسی طرح اسٹیشن روانہ ہو گیا۔

گیارہ بجے گاڑی چھوٹتی تھی۔ اس نے حساب لگایا کہ وہ اس گاڑی سے صبح تک کالکا پہنچ جائے گا۔ اور وہاں سے موٹر میں بیٹھ کر بارہ بجے تک شملہ پہنچ جائے گا۔ چیترا اس وقت تک یقیناً پہنچ چکی ہو گی۔ اس لئے شام کو پیرا ڈائز ہوٹل میں مل جائے گی ——— لیکن وہ اس اچانک پروگرام پر حیران ضرور تھا ——— وہ سوچ رہا تھا کہ آخر چیترا شملہ کیوں گئی ہے ——— اور کیوں اسے بلایا ہے؟

لیکن خیر ——— اس نے زیادہ سوچنے میں دماغ کو تھکانا پسند نہ کیا اس لئے

لگا... پہ اوپر کی ایک سیٹ پر لیٹ کر سو گیا۔

سفر کی تمام صعوبتیں اس نے خوش آئند مستقبل کے سہارے ہنسی خوشی برداشت کر لیں۔ اور گیارہ بجے شملہ پہنچ گیا۔

اب اس کے پاس صرف دو روپے بچے تھے۔ سب سے پہلے اس نے معمولی سا کھانا کھایا۔ پھر ایک سستی سی سرائے تلاش کرنے لگا —— تھوڑی سی جد و جہد کے بعد ہی اسے ایک گھٹیا ہوٹل میں دو روپے روز پر کمرہ مل گیا۔ کمرہ لے کر اس نے ایک روپیہ ایڈوانس دے دیا اور کمبل کمرہ میں ڈال کر گھومنے نکل گیا —— اب اس کی جیب میں صرف چھ آنے تھے —— لیکن وہ مستقبل سے نا امید نہیں تھا۔

شام کو ٹھیک پانچ بجے وہ پیراڈائز ہوٹل کے دروازے پر پہنچ گیا اندر جانے کی اسے ہمت نہ ہوئی۔ کیونکہ اس کی جیب میں پیسے نہیں تھے۔ دروازے کے پاس رہ کر ہی وہ چترا کا انتظار کرنے لگا۔

ساڑھے چھ بجے کے قریب جب چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا، تو اس نے ہوٹل کے صدر دروازہ سے چترا کو باہر نکلتے دیکھا —— وہ ایک اور اپٹوڈیٹ لڑکی کے ساتھ تھی —— امر نے کوئی ایسا اشارہ نہ کیا جس سے چترا کی سہیلی یہ سمجھتی کہ وہ اس کا واقف کار ہے۔ چترا نے بھی گیٹ سے باہر نکلتے ہی اسے دیکھ لیا۔ اور صرف مسکرا کر رہ گئی۔

چترا اس لڑکی کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی پیدل چلتی رہی —— امر بھی تھوڑا سا فاصلہ دے کر ان کے پیچھے پیچھے چلتا رہا —— آخر کچھ دیر کے بعد وہ لڑکی چترا سے ہاتھ ملا کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر رخصت ہو گئی —— چترا تنہا رہ جانے کے بعد سڑک پر ٹھہر کر امر کا انتظار کرنے لگی۔

امر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے برابر میں پہنچ گیا۔ جیترا نے اسے

دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

"تم آ گئے ۔۔۔؟"

"تمہارا حکم کیسے ٹال سکتا تھا۔" امر نے جواب دیا۔

"کہاں ٹھہرے ہو؟"

"یہیں کوئی ایک میل نیچے ایک گھٹیا سا ہوٹل ہے ۔۔۔ شاید شملہ ہوٹل

اس کا نام ہے۔"

"ہوں ۔۔۔" جیترا نے ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں کوئی ڈیڑھ

میل اوپر ایک عزیزہ کی کوٹھی پر ٹھہری ہوئی ہوں ۔۔۔ تم اگر تھکے ہوئے نہ ہو

تو چلو کوٹھی دکھا دوں۔"

"چلو۔" امر نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

اونچے نیچے پہاڑی راستے سنسان اور تاریک تھے۔ آمد و رفت بہت کم

ہو گئی تھی کیونکہ ٹھنڈ بڑھتی جا رہی تھی۔ اگرچہ امر اپنا کوٹ پہنے ہوئے تھا

جو اس نے دس روپے میں کباڑی بازار سے خریدا تھا پھر بھی اسے سردی محسوس

ہو رہی تھی۔ اندھیرے میں چلتے چلتے اس نے جیترا کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کے ہاتھ

کی گرمی سے اسے اپنے اندر بجلی سی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اور سردی کا

احساس بالکل زائل ہو گیا۔

کچھ دور چلنے کے بعد امر نے کہا۔

"تم اتنی دور پیدل جاؤ گی تو تھک جاؤ گی۔"

"تمہاری وجہ سے پیدل چل رہی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

امر کا سینہ خوشی سے پھول گیا۔ آج بڑے دن کے بعد جیترا نے محبت

لہجہ میں اس سے گفتگو کی تھی ۔

آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ پندرہ بیس منٹ میں ہی کوٹھی پہ پہنچ گئی۔

"یہ ہے ہماری کوٹھی ۔" چترا نے صدر دروازے کے قریب رکتے ہوئے اس سے کہا۔

"اچھا تو میں جاؤں اب؟" امر نے پوچھا۔

"چند منٹ انتظار کرو۔ میں ذرا اندر دیکھ لوں کہ وہ لوگ آئے یا نہیں۔ ابھی واپس آتی ہوں۔"

"بہت اچھا۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر امر ایک بڑے سے پتھر پہ بیٹھ گیا ۔۔ اور چترا اندر چلی گئی۔

خنکی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ وہ سمٹا ہوا پتھر پہ بیٹھا تھا اور چترا کا انتظار کر رہا تھا ۔۔ کافی دیر گذر گئی لیکن چترا نہ آئی ۔۔ وہ اسی طرح سکڑا سمٹا بیٹھا رہا ۔۔ کئی بار اس کے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ کہیں چترا بھول تو نہیں گئی۔ ۔۔ کئی بار اس کے جی میں آئی کہ اٹھ کر واپس چلا جائے لیکن پھر خیال آیا، کہ میرے پیچھے چترا آ گئی تو کیا کہے گی۔

ایک گھنٹہ ۔۔ دو گھنٹے ۔۔ تین گھنٹے گذر گئے۔ لیکن چترا نہ آئی ۔۔ کوٹھی کے تمام کمروں میں روشنیاں گل ہو گئیں ۔۔ اسے یقین ہو گیا کہ سب سو چکے ہیں۔ لیکن وہ اسی طرح پتھر پہ بیٹھا رہا ۔۔ چترا اسے کہہ گئی تھی کہ میں ابھی لوٹ کر آتی ہوں۔ پھر وہ کیسے جا سکتا تھا ۔۔ اگر اس کے جانے کے بعد چترا آ گئی تو کیا ہو گا ۔۔ اسی طرح بیٹھے بیٹھے وہ برابر کے پتھر سے ٹیک لگا کر سو گیا ۔۔ ٹھنڈ کے مارے وہ بالکل گٹھڑی بنا ہوا تھا۔

آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ صبح ہو چکی ہے ۔۔ سورج کی زریں کرنیں

درختوں کی کونپلوں پہ رقص کر رہی تھیں —— وہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا —— اس کا سارا جسم اکڑا ہوا تھا —— سینے میں بھی اسے ہلکی سی چبھن محسوس ہوئی۔
چترا ابھی تک نہیں آئی تھی —— اکڑے ہوئے جسم کو حرکت دینا محال معلوم ہو رہا تھا۔ اس لئے اس نے ہاتھوں پیروں کو جھٹک کر دوران خون تیز کرنے کی کوشش کی۔ عین اسی وقت اس نے دور کوٹھی کی بالکونی پہ دیکھا کہ ایک لڑکی بالوں میں کنگھی کرتی ہوئی آ کر کھڑی ہو گئی —— وہ چترا سے مشابہ تھی —— لڑکی کنگھی کرتے کرتے یکایک رُک گئی۔ اور پھر تیزی سے پلٹ کر اندر چلی گئی۔

دو منٹ بعد ہی اس نے کوٹھی کے اندرونی دروازے سے چترا کو باہر نکلتے دیکھا۔ وہ تیز چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور بولی۔

"ارے! —— تم ساری رات یہاں بیٹھے رہے ہو؟"

"ہاں ——" امر نے سینہ کی ٹیس سے بے چین ہوتے ہوئے کہا —— "تم نے کہا تھا میں ابھی آ رہی ہوں —— میں انتظار کرتا رہا ——"

"اوہ —— امر ——!" چترا نے پہلی بار انتہائی محبت بھرے لہجہ میں کہا —— "میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اندر جا کر میں باتوں میں بالکل بھول گئی۔ —— میرے ذہن میں نہ جانے کیسے یہ خیال رہ گیا کہ تم واپس چلے گئے ہو ——"

"نہیں —— میں کیسے جا سکتا تھا —— مجھے ڈر تھا کہ میرے پیچھے تم آ گئیں تو کیا کہو گی —— ؟"

"اچھا خیر —— اب تم جاؤ —— شام کو مجھے وہیں پیراڈائز کے باہر مل لینا ——"

"بہت اچھا ——" امر نے پالتو کتے کی طرح سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اور

زندہ وہیں سے واپس چل پڑا۔
ٹھنڈ میں رہنے کی وجہ سے اس کا سارا جسم اکڑ رہا تھا۔ سینے میں چبھن سی ہو رہی تھی۔ کچھ بھوک بھی لگ رہی تھی اس لئے اس نے راستے میں گرم گرم دودھ پیا جس سے جسم میں کچھ گرمی آگئی اور وہ چلنے کے قابل ہو گیا۔
اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے کمبل لپیٹا اور پلنگ پر لیٹ گیا ——
سینکڑوں خیالات بگولوں کی طرح اس کے ذہن میں چکرانے لگے۔ ہر چیز اسے دھندلی دھندلی سی نظر آ رہی تھی —— چہرا —— چہرا —— چہرا —— چہرا کے سینکڑوں چہرے اس کے تصور میں ناچ رہے تھے —— صاف اور روشن چہرے رفتہ رفتہ وہ چہرے دھندلے ہونے لگے —— غالباً اسے نیند آ رہی تھی ——
اور پھر کچھ دیر بعد ہی وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

•

بازو میں کوئی چیز چبھنے کی تکلیف سے اس کی آنکھ کھل گئی —— پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس نے دیکھا تو ایک معمر شخص اس پر جھکا ہوا تھا —— اسے آنکھ کھولتے دیکھ کر وہ شخص سیدھا کھڑا ہو گیا —— اس کے ہاتھ میں سرنج تھی جس سے امر نے اندازہ لگایا کہ وہ ڈاکٹر ہے ——
اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ سارا بدن بھن رہا تھا۔ اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ دماغ کسی قدر ماؤف تھا۔ کچھ دیر تک وہ بالکل نہ سمجھ سکا کہ وہ کس جگہ ہے اور اسے کیا ہو گیا ہے۔
یکایک چند ملائم ملائم انگلیاں اسے اپنے بالوں میں حرکت کرتی معلوم ہوئیں اور ایک شہد آگیں آواز سنائی دی۔

"امر ــــ"

اس نے آواز کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا چترا اس کے سرہانے کھڑی ہے اور اس کے خوشنما چہرے پر تشویش کے آثار ظاہر ہیں۔

"چترا ــــ" اس نے چترا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے پکارا ــــ لیکن اس کی آواز اس قدر کمزور اور کانپتی ہوئی تھی کہ وہ خود حیران رہ گیا۔

"ہاں امر ــــ" چترا نے جھک کر اس کے چہرے کے قریب اپنا چہرا لاتے ہوئے کہا "کیسی طبیعت ہے؟"

"میرے سینے میں سخت تکلیف ہے ــــ" اس نے کمزور آواز میں کہا ــــ "لیکن میں کہاں ہوں؟"

"تم اپنے ہوٹل کے کمرے میں ہو" چترا نے جواب دیا۔

یکایک ڈاکٹر نے اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے کہا۔

"اچھا مس چترا میں چلتا ہوں ــــ مریض کی حالت اب خطرے سے باہر ہے فکر نہ کریں۔ دوا ہوٹل کے کسی ملازم کے ہاتھ ابھی بھجوا دوں گا"

"بہت اچھا ڈاکٹر صاحب"

یہ کہہ کر وہ ڈاکٹر کو رخصت کرنے کے لئے باہر چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی تو امر نے کہا۔

"چترا ــــ تم یہاں کیسے آئیں؟"

"میں نے شام کو پیرا ڈائز پر تمہارا انتظار کیا۔ لیکن جب تم نہ آئے، تو مجھے فوراً یقین ہو گیا کہ کوئی خاص بات ہو گئی ہے ــــ صبح تمہارے چہرے سے تکلیف کے آثار ظاہر تھے۔ اس لئے میں نے اندازہ لگایا کہ شاید تم بیمار ہو گئے ہو ــــ اسی وقت میں تمہارے ہوٹل کی تلاش میں چل پڑی ــــ

یہاں آکر دیکھا تو تم ایک کمبل میں لپیٹے ہوئے بے ہوش پڑے تھے۔ بخار سے تمہارا جسم جل رہا تھا۔"

کمبل کا ذکر آتے ہی امر نے بستر کی جانب دیکھا — سفید، گدگدا اور آرام دہ بستر تھا۔ چترا اس کا مقصد سمجھ گئی اور جلدی سے بولی۔

"یہ بستر میں نے ہوٹل کے مالک سے تمہارے لئے کرایہ پہ لے دیا ہے —

ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ تم یہاں بے ہوش پڑے تھے۔ میں فوراً ڈاکٹر کو بلا کر لائی۔ اس نے بتایا کہ نمونیہ ہو گیا ہے لیکن چونکہ جلدی ہی خبر لے لی گئی اسلئے خطرہ کی بات نہیں۔ اس وقت سے اب تک ڈاکٹر تین انجکشن لگا چکا ہے — تب کہیں جا کر تمہیں ہوش آیا۔ اب وہ کہہ گیا ہے کہ فکر کی ضرورت نہیں۔ تم جلد اچھے ہو جاؤ گے۔"

"تم یہاں کب آئی تھیں؟" امر نے پوچھا۔

"ساڑھے پانچ بجے۔"

"اور اب کیا بجا ہے؟"

"اس وقت —" چترا نے رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "دس بج رہے ہیں۔"

"اتنی دیر ہو گئی —" امر نے چترا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محبت سے دباتے ہوئے کہا۔ "گھر والے تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں نے ڈاکٹر کے ہاں سے گھر پر فون کر دیا تھا کہ رات کو شاید کچھ دیر کو آؤں گی۔"

"اوہ چترا — میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کر سکتا ہوں۔ میری خاطر تمہیں کس قدر تکلیف اٹھانی پڑی —"

"نہیں، شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں" چترا نے جواب دیا۔ "میں خود تم سے شرمندہ ہوں کہ میری خاطر تمہیں یہ تکلیف برداشت کرنی پڑی"

"مجھے کوئی غم نہیں" اس نے کہا۔ "تمہاری خاطر اگر میری جان بھی چلی جائے تو مجھے کوئی افسوس نہ ہوگا"

"اچھا اب تم باتیں کم کرو ــــ ڈاکٹر آرام کرنے کے لئے کہہ گیا ہے"

"تم واپس کب جاؤ گی؟"

"میں بارہ بجے چلی جاؤں گی۔ لیکن رات کو تمہارے پاس رہنے کے لئے میں نے ہوٹل کے ایک ملازم کا بندوبست کر دیا ہے۔ وہ تمہاری دوا وغیرہ کا خیال رکھے گا۔ صبح کو میں پھر آ جاؤں گی"

"تم ایک ناکارہ ہستی کے لئے کیوں تکلیف اٹھا رہی ہو چترا؟" اس نے چترا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"اس لئے کہ میرے دل میں تمہارے لئے جذبۂ رحم ہے" چترا نے مسکرا کر جواب دیا۔

"وہ جذبۂ رحم ابھی تک بدلا نہیں"

"کم از کم میں نے کوئی تبدیلی محسوس نہیں کی" چترا نے کہا۔ "لیکن ڈاکٹر کہہ گیا تھا کہ تمہیں زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ تم سو جانے کی کوشش کرو"

"نیند نہیں آ رہی ــــ تمہاری موجودگی میں سو جانا تو سنہرے لمحات کو کھو دینے کے مترادف ہے ــــ میں تو بیماری کا مشکور رہوں گا کہ اس کی وجہ سے تم سے اس درجہ قربت حاصل ہو گئی"

"خیر اب شاعری مت کرو" چترا نے لحاف سے اسے اچھی طرح ڈھکتے ہوئے کہا۔ "میں ہلکے ہلکے تمہارے سر میں مالش سی کرتی ہوں۔ اور تم سو جاؤ ــــ اور ہاں

سنو! میری غیر موجودگی میں صبح کو تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو منگا لینا۔ تمہارے تکیہ کے نیچے کچھ روپے رکھے ہیں"

"اس قدر احسانات تو مت کرو چترا کہ میں سر بھی نہ اٹھا سکوں ——"

امر نے کہا۔ لیکن چترا نے فوراً اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔ اور دوسرے ہاتھ سے اس کا سر سہلاتے ہوئے بولی۔

"بولو مت —— سو جاؤ ——"

سر سہلاتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے فلم آرٹسٹ لتا کی گائی ہوئی مشہور لوری گنگنانے لگی۔

"دھیرے سے آجا ری اکھین میں نندیا آجا ری آجا"

چترا کی آواز بڑی سریلی تھی —— امر کو بالکل ایسا محسوس ہوا جیسے کچھ غیر مرئی انگلیاں اس کے دماغ کے پردوں کو گدگدا رہی ہیں —— جیسے دور کہیں مندر میں نقرئی گھنٹیاں اپنی رسیلی آواز سے بج رہی ہیں —— جیسے پہاڑی ندی کی شوخ و چنچل لہریں جلترنگ بجاتی ہوئی اس کے دماغ میں سے ہو کر گذر رہی ہیں۔ نیند نہ آنے کے باوجود اس کی آنکھیں خود بخود بند ہوتی چلی گئیں۔ جیسے ہلکا ہلکا نشہ طاری ہونے لگا ہو —— چترا کی رسیلی آواز گذرتے ہوئے قافلے کی گھنٹیوں کی طرح اسے دور جاتی ہوئی محسوس ہونے لگی —— نشہ اور تیز ہونے لگا —— دماغ کے پردوں پر غیر مرئی انگلیوں کی حرکت اور تیز ہو گئی۔ سینہ کی چبھن کم ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ چند لمحوں بعد ہی وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا ——

دو تین دن بعد ہی امر ٹھیک ہو گیا —— لیکن دوبارہ تندرست ہونے میں

زیادہ ہاتھ چترا کا تھا۔ اس نے امر کی دیکھ بھال میں دن رات ایک کر دیا —— اور روپیہ بھی پانی کی طرح بہا دیا —— شاید وہ اپنی اس حرکت کا ازالہ کرنا چاہتی تھی کہ امر صرف اسی کی وجہ سے بیمار پڑا تھا۔

بہر حال کچھ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دو تین دن چترا نے اس طرح امر کی دیکھ بھال میں گذارے کہ ایک سند یافتہ نرس بھی اتنی خدمت گذاری نہ کر سکتی تھی —— اس دوران میں اپنے وقت کا زیادہ تر حصہ اس نے امر کے پاس گذارا۔ ہر طرح اس کے آرام کا خیال رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ نمونیہ جیسا خطرناک عارضہ لاحق ہونے کے باوجود وہ تین دن میں ہی چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا ——

اس کے صحت مند ہو جانے کے بعد چترا نے پھر اپنا وقت دوسری مصروفیات میں لگانا شروع کر دیا —— صرف شام کو اس سے ملنے آ جاتی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے چلی جاتی۔

ایک ہفتہ کے بعد امر کی کمزوری بھی دور ہو گئی —— اب وہ سفر کے قابل ہو گیا تھا۔ دفتر سے اس نے اچانک چھٹی لی تھی۔ اس لئے وہ جلد از جلد واپس جانا چاہتا تھا۔ چترا نے بھی اسے واپس چلے جانے کا ہی مشورہ دیا۔ اور رخصت کے وقت تیس روپے اس کی جیب میں ڈال دیئے —— لیکن اسٹیشن تک اسے چھوڑنے نہیں آئی۔ ہوٹل سے ہی جدا ہو کر کوٹھی پر واپس چلی گئی۔

اور ٹھیک گیارہویں روز امر دلی واپس پہنچ گیا۔

باب ۶

واقعات کی اس قدر افراط تھی کہ امر کے ذہن میں ایک ہنگامہ سا بپا تھا سارے واقعات و حادثات ایک دوسرے سے گڈمڈ ہو رہے تھے ـــ انھیں کی کتاب کے اوراق بڑی تیزی سے پلٹ رہے تھے۔ گذرے ہوئے ایام کی یادیں دھندلکوں میں لپٹی ہوئی اس کی نگاہوں کے سامنے آتیں۔ اور تیزی سے گذر جاتیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہوائی جہاز تاریکی میں ملفوف دیہاتوں اور شہروں کے پاس آتا اور تیزی سے گذر جاتا ـــ

چار سال کے طویل عرصہ کی تمام تفصیلات اسے یاد نہیں تھیں ـــ وہ بہت کچھ بھول چکا تھا اور سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا ـــ اس کی خواہش تھی کہ کاش کوئی اس کا حافظہ چھین لے۔ تاکہ ماضی کے تکلیف دہ لمحات اس کی روح کو نہ سہلا سکیں۔ یہ چار سال کا طویل عرصہ اس نے ذہنی کشمکش میں اس طرح بسر کیا تھا جیسے وہ پھولوں کے ایسے بستر پر پڑا ہو جس میں ہر پھول کے ساتھ ایک زہریلا کانٹا بھی

وابستہ ہو - یعنی جب وہ کروٹ لے - پھولوں کی نرمی اور لطافت کے ساتھ کانٹوں کے زہر کا ذائقہ بھی اسے چکھنا پڑے - نہ ہی وہ صحیح طور پر پھولوں سے لطف اندوز ہو سکے اور نہ ہی پوری طرح کانٹوں سے جسم چھلنی ہو سکے -

چترا کا مزاج دھوپ چھاؤں کی طرح بدلنے والا تھا —— اس پورے عرصہ میں وہ ایک پہیلی کی طرح امر کے ذہن میں پھنسی رہی —— وہ ریشم کی ڈوری میں پڑی ہوئی ایسی گانٹھ کی طرح تھی جو انگلیوں سے پھسل پھسل جاتی ہو اور کھلنے کا نام نہ لیتی ہو —— وہ بیک وقت محبت اور ہمدردی کا پیکر بھی تھی اور بے رحمی و لاپرواہی کا مجسمہ بھی —— اس کی فطرت میں دو متضاد چیزیں ہر وقت موجود رہتی تھیں —— کبھی وہ اس قدر نرم ہوتی جیسے چاندنی کی ملائم کرنیں اور کبھی وہ اس قدر سخت ہوتی جیسے پتھر کی چٹان —— وہ امر کا خیال بھی رکھتی تھی اور اس سے لاپرواہ بھی رہتی تھی —— وہ اس پر رحم بھی کھاتی تھی اور اسے ستاتی بھی تھی -

اور امر اس کے ہر جور و ستم سے لاپرواہ ہمیشہ اس کی خوشنودی کے لئے کوشاں رہتا تھا —— اپنی دانست میں وہ کبھی کوئی ایسی حرکت یا ایسا فعل نہ کرتا تھا جو چترا کی ناراضگی کا موجب ہو —— وہ مجسم ایثار تھا —— مجسم محبت تھا —— اور مجسم خلوص تھا ——

اس عرصہ میں وہ فرسٹ ڈویژن میں بی اے کرنے کے بعد اب ایم اے کی تیاریاں کر رہا تھا - ملازمت کے ساتھ ہی اب اس نے کچھ ٹیوشن بھی کر لئے تھے جس سے اقتصادی طور پر وہ کچھ آرام کی زندگی بسر کرنے لگا تھا ——

تین سال تک وہ اسی کشمکش میں الجھا ہوا غیر مطمئن زندگی گذارتا رہا اور چترا نے ایک بار بھی اپنی محبت کا اعتراف نہ کیا ——

اب وہ ایمانداری سے اس بات کا خواہشمند تھا کہ معاملہ یا تو اِدھر ہو جائے یا اُدھر — یعنی چترا یا تو صاف لفظوں میں اس سے اعترافِ محبت کر لے اور ہمیشہ کے لئے اس کی ہونے کا اقرار کر لے — یا پھر وہ صاف طور پہ کہہ دے کہ مجھے تم سے کوئی ہمدردی نہیں۔ میں تمہاری نہیں ہو سکتی۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں —

لیکن نہ جانے کیوں چترا خود کسی ایک فیصلہ پہ پہنچنا نہ چاہتی تھی۔ وہ لیے لٹکا کر رکھنا چاہتی تھی — وہ اس سے کھیلنا چاہتی تھی — اسے موہوم امیدوں کے سہارے زندہ رکھنا چاہتی تھی — وہ نہیں چاہتی تھی کہ حماقت کی حد تک پہنچا ہوا ایک چاہنے والا اس کے پنجۂ ستم سے آزاد ہو جائے۔

چترا اور امر کے تعلقات میں تغیرات اکثر آتے رہتے تھے — یعنی کبھی وہ اس سے بہت زیادہ ملنے لگتی اور کبھی اجنبیت کی حد تک کھنچنے لگتی۔

امر نے ایم اے پریویس کا امتحان دیا تو چترا پر اجنبیت کا بھوت سوار تھا — کوئی ایک ماہ سے وہ امر سے نہیں ملی تھی — امتحان کی مصروفیت کی بنا پہ امر بھی اس سے ملنے نہ جا سکا۔

۲

ایک ماہ کے بعد جب اسے فرصت ملی۔ تو وہ یونیورسٹی پہنچ کر چترا کی واپسی کا انتظار کرنے لگا — چار بجے چترا حسبِ معمول اپنی کار میں باہر نکلی — چترا کے پہلو میں ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ جسے پیشتر بھی وہ چترا کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ لیکن جبر کے بارے میں استفسار کرنے پہ چترا اکئی بار اس سے کہہ چکی تھی۔

..

"تمہیں رقابت کی آگ میں جلنے کی ضرورت نہیں۔ وہ صرف میرا دوست ہے ــــ ایسا دوست جو سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن شوہر نہیں ہو سکتا۔"

امر مجبور تھا کہ وہ چترا کی بات پر اعتبار کرلے ــــ کیونکہ اگر وہ اعتبار نہ بھی کرتا تو کیا کر سکتا تھا ــــ یہی کیا کم غنیمت تھا کہ چترا اس سے ملتی تھی ــــ اگر وہ اس نوجوان کی اور اس کی دوستی پر اعتراض کرتا تو ممکن ہے چترا خود امر سے ملنا جلنا چھوڑ دیتی ــــ کیونکہ وہ بہت خودسر اور ضدی قسم کی لڑکی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ اس نوجوان کے بارے میں جس کا نام اجیت تھا وہ بہت حد تک مشکوک تھا ــــ اسے یقین تھا کہ اجیت اور چترا کے تعلقات وہ نہیں ہیں جو وہ ظاہر کرتے ہیں بلکہ اس سے بہت آگے ہیں۔

لیکن خیر جو کچھ بھی ہو ــــ وہ ہر صورت میں راضی برضا تھا۔ وہ صرف چترا کی خوشی کا طالب تھا اسی لئے وہ کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتا تھا پہلے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب کبھی امر اجیت کو چترا کے ساتھ دیکھ لیتا تھا تو خود ہی الگ ہو جاتا تھا۔ تاکہ چترا اس کی موجودگی کو بار محسوس نہ کرے یا یہ کہئے کہ وہ خود اجیت کی موجودگی برداشت نہ کر سکتا تھا اس لئے اپنے ذہنی سکون کی خاطر وہاں سے ٹل جاتا تھا۔ لیکن اس روز اتفاق سے چترا کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اس لئے وہ خواہش کے باوجود اپنی موجودگی کو پوشیدہ نہ رکھ سکا ــــ چترا نے کار روک لی ــــ رسمی طور پر اجیت سے اس کا تعارف کرایا اور کار کی پچھلی سیٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"بیٹھئے مسٹر امر ــــ میں آپ کو شہر تک چھوڑ دوں گی؟"

اجیت اس کے پہلو میں بیٹھا رہا — تعارف کے وقت اس نے بُری طرح گھور کر امر کو دیکھا تھا لیکن شاید وہ امر کے کم قیمت لباس کو دیکھ کر مطمئن ہو گیا کہ ان دونوں کا کیا مقابلہ!

راستے بھر امر پیچھے بیٹھا ہوا زہر کے گھونٹ پیتا رہا۔ اور اجیت چترا سے لگاوٹ آمیز انداز میں گفتگو کرتا رہا — آج پہلی بار امر کو موقعہ ملا تھا کہ وہ دونوں کی گفتگو سن سکتا — اگرچہ وہ بالکل رسمی گفتگو کر رہے تھے لیکن اجیت کے لہجے اور انداز سے اس نے اتنا اندازہ لگا لیا کہ وہ چترا سے محبت ضرور کرتا ہے یا کم از کم چترا پہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ میں تم سے بے انتہا محبت کرتا ہوں۔ چترا بھی اس کے ساتھ بڑے شیریں لہجہ میں گفتگو کر رہی تھی۔ اس لہجہ میں وہ امر کے ساتھ اسی وقت گفتگو کرتی تھی جب وہ اس پہ بہت مہربان ہوتی تھی۔

اجمیری گیٹ کے باہر چترا نے کار روک دی۔ امر نے خشک لہجہ میں اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے کمرے پہ چلا آیا۔

لیکن آج پہلی بار اس کے سینے میں رقابت کی تیز آگ بھڑک رہی تھی۔ آج اسے یقین ہو گیا تھا کہ چترا کے اور اجیت کے تعلقات صرف دوستانہ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

گھنٹوں وہ اس مسئلہ پہ سوچتا رہا — اور جتنا سوچتا گیا۔ اس کا خیال پختہ ہوتا گیا۔

آج اسے یقین ہو گیا کہ اس کے اور چترا کے درمیان اجیت کی دیوار حائل ہے صرف اجیت کا خیال چترا کے خیالات میں تبدیلیوں کا باعث ہوتا ہے — چترا کو اس سے محبت تھی۔ یا اس کا تھوڑا بہت خیال تھا، جو

امر کی کوششوں سے یقیناً ایک روز شدید محبت میں تبدیلی ہو سکتا تھا لیکن اجیت کی دوستی ان کے درمیان حائل ہوتی رہی — امر کی محبت کی وہ شدت اور گرمی جو چترا کی خود پسندی کے غرور کو خاک کر سکتی تھی، براہ راست اس تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ بلکہ راہ میں اجیت کی محبت حائل ہو جاتی تھی —

آج اسے صحیح حقیقت کا علم ہوا کہ چترا کے خیالات کیا ہو جاتے کیوں لٹتے تھے۔ دھوپ چھاؤں کی طرح کیوں تبدیلیاں ہوتی تھیں۔

کافی رات گذرنے تک وہ سو نہ سکا۔ آج اس نے فیصلہ کر لیا کہ کل ہی وہ چترا سے مل کر دو ٹوک فیصلہ کرے گا۔ اس سے آخری جواب طلب کرے گا کہ وہ اس سے محبت کر سکتی ہے یا نہیں — تین سال کا طویل عرصہ گذر چکا ہے۔ کیا وہ اس مدت میں ابھی تک اپنے جذبات کو سمجھنے کے قابل نہیں ہوئی۔ اگر واقعی اسے امر سے محبت نہیں بلکہ صرف ہمدردی ہے تو وہ صاف صاف کہہ دے — اس صورت میں وہ فوراً اس سے قطع تعلق کر لے گا۔ کیونکہ وہ کسی کے رحم و کرم پر جینا نہیں چاہتا۔ آخر کار یہی سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔

دوسرے روز وہ دیر سے سو کر اٹھا اور ابھی منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہوا ہی تھا کہ چترا آ گئی۔ غالباً وہ رات کی بے رخی کا ازالہ کرنے آئی تھی۔

امر کی آنکھیں دیر سے سونے کے باعث سرخ ہو رہی تھیں۔ چترا نے ہاتھ میں لی ہوئی کتاب میز پر رکھتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"کیوں؟ کیا رات بھر روتے رہے ہو؟"

"ہاں" امر نے مختصر سا جواب دیا۔

"کیوں؟"

"قسمت جو خراب ہے"

"قسمت تو بہادر انسان خود بناتے ہیں" اس نے امر کی سنجیدگی کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"شاید میں بھی اپنی قسمت بنا لیتا اگر ایک دیوار راستے میں حائل نہ ہو جاتی ـــــ"

"کیسی دیوار؟" چترا نے بھولے پن سے پوچھا۔

"اجیت کی ـــــ اجیت ہی ایک ایسی دیوار ہے جو میری قسمت کو بننے سے روک رہا ہے"

"اوہ! ـــــ" چترا نے ایک لمبا اور گہرا سانس لیا۔ پھر بولی "اب میں سمجھی کہ جناب کا پارہ آج کیوں چڑھا ہوا ہے"

"تم پھر غلط سمجھیں" امر نے کہا "میرا پارہ چڑھا ہوا نہیں ہے بلکہ میں ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں اور آج اس دیوار کے بارے میں آخری فیصلہ کرنا چاہتا ہوں"

"کیا مطلب؟" چترا نے ترچھی نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ میں آج تم سے صاف صاف پوچھنا چاہتا ہوں، کہ آیا تمہیں مجھ سے محبت ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو تمہارا اجیت تمہیں مبارک رہے۔ میں جس طرح بن پڑے گا اپنی زندگی گزاروں گا۔ صرف رحم و کرم کے سہارے میں زندگی نہیں گزار سکتا۔ مجھے اپنی شدید محبت کے جواب میں

اسی طرح کی شدید محبت مطلوب ہے۔"

چترا صبر کے ساتھ بیٹھی ہوئی اسے گھورتی رہی پھر بولی۔

"آج تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تم لڑائی پر آمادہ ہو۔"

"نہیں۔ لڑائی پر نہیں — بلکہ آج میں اپنی قسمت کا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔ مجھے امید و یاس کی کشمکش سے لڑتے ہوئے تین سال گذر چکے ہیں۔ کیا اس دوران میں تم اپنے جذبات کو ابھی تک نہیں سمجھ سکیں؟"

"ہاں —" چترا نے اپنے ناخنوں سے کھیلتے ہوئے کہا "میں اپنے جذبات کو ابھی تک نہیں سمجھ سکی — میں کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکی — لیکن یہ تم یقین رکھو کہ جب مجھے علم ہوگا کہ میرے جذبات محبت کے جذبات ہیں تو میں فوراً اعتراف کر لوں گی — رہا اجیت کا معاملہ تو اس کے بارے میں میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکی ہوں کہ اس کے میرے تعلقات صرف دوستانہ ہیں۔ تمہیں اس کے بارے میں حسد کرنے کی ضرورت نہیں!"

"میں نہیں مانتا" امر نے تین سال کے طویل عرصہ میں پہلی بار لہجہ میں سختی پیدا کرتے ہوئے کہا — "میں کبھی نہیں مان سکتا کہ اجیت کے اور تمہارے تعلقات صرف دوستانہ ہیں۔ اس کے کل والے اندازِ گفتگو سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور تم بھی اس کی محبت کا ..."

"امر —" یکایک چترا نے اس کی بات کاٹ دی "بات کرنے سے پہلے کچھ سوچ لینا ہمیشہ بہتر ہوتا ہے۔"

"میں ساری رات اس مسئلہ پہ سوچتا رہا ہوں چترا —" امر نے کہا "میں ہر بات برداشت کر سکتا تھا۔ تمہارا ہر ظلم برداشت کر سکتا تھا لیکن یہ بات کبھی برداشت نہیں کر سکتا — میری غیرت یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی

کہ تم اجیت سے محبت کرو اور میں تمہارے وعدوں کے سہارے تمہارے رحم و کرم پر زندہ رہوں ـــ"

"آج تم پر جنون کی کیفیت طاری ہے۔" چترا نے کہا۔

"ہاں ـــ" امر نے تسلیم کیا ـــ "آج مجھ پر جنون طاری ہے اور اسی جنون کے عالم میں میں آخری فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔ اب مجھ میں مزید انتظار کی ہمت نہیں ہے۔ آج تمہیں صاف صاف بتانا ہوگا کہ تم مجھ سے محبت کر سکتی ہو یا نہیں؟"

"اس بارے میں فیصلہ کُن طور پر میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" چترا نے کرسی سے اُٹھتے ہوئے۔

امر تولیہ سے منہ صاف کر کے تولیہ ایک طرف پھینکتے ہوئے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اور دونوں ہاتھوں سے اس کے شانے پکڑتے ہوئے بولا۔

"اچھا۔ تو تم میری اس بات کا صاف جواب دو کہ تم ہم دونوں میں سے کس سے محبت کر سکتی ہو ـــ یا زیادہ صاف لفظوں میں یہ کہیے کہ ہم دونوں میں سے کس کے لیے تمہارے دل میں جذبۂ ترحم زیادہ ہے؟"

"امر ـــ" چترا نے کسی قدر ناراضگی کے انداز میں امر کے دونوں ہاتھ شانے سے ہٹاتے ہوئے کہا ـــ "میں یہاں سوال و جواب کرنے نہیں آئی ـــ صرف تم سے ملنے آئی تھی ـــ پہلے بھی ایک بار میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ محبت اختیاری شے نہیں ہے۔ کسی کے دباؤ یا اثر سے محبت نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے جب تک میرا دل گواہی نہ دے کہ مجھے کسی سے محبت ہے۔ میں کس طرح کوئی فیصلہ کن رائے قائم کر سکتی ہوں۔ یا اعترافِ محبت کر سکتی ہوں؟"

"لیکن آخر کسی چیز کی کوئی نہ کوئی حد بھی ہوتی ہے۔ آخر کب تک میں انتظار کروں ـــ؟"

"میں کچھ نہیں جانتی ـــــ" چترا نے منہ بنا کر کہا ـــــ "تمہاری آج کی باتوں سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے ـــــ"

"اس لئے کہ میں نے اجیت کے بارے میں تمہارے صحیح جذبات کا راز افشا کر دیا ہے ـــــ"

"امر ـــــ" چترا نے ذرا تیز لہجہ میں کہا ـــــ "تم بھول رہے ہو کہ اگر مجھے اجیت سے محبت کرنی ہوگی تو تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ میں خود مختار ہوں کہ جس سے چاہوں محبت کروں"

"اسی لئے تو میں تم سے اپنی قسمت کا آخری فیصلہ سننا چاہتا ہوں تم چونکہ خود مختار ہو اس لئے فوراً فیصلہ کن انداز میں کہہ سکتی ہو کہ میں ... سے محبت نہیں کرتی، اجیت سے کرتی ہوں ـــ یا ..."

"نہیں ـــ" چترا نے پیر پٹختے ہوئے کہا "میں اس سلسلہ میں ابھی کچھ نہیں کہوں گی۔ تم جو تمہاری مرضی اُسے سمجھ سکتے ہو ـــ"

یہ کہہ کر وہ غصہ میں پیر پٹختی ہوئی تیزی سے کمرے سے نکل گئی ـــ امر حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا ـــ پھر اسے نیچے سے موٹر اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی ـــ اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا تو وہ جا چکی تھی۔

کافی دیر تک، امر کھڑکی میں کھڑا ہوا [illegible] آسمان کو تکتا رہا ـــ اس کے اندیشے کسی حد تک درست ہوتے جا رہے تھے۔ اجیت اور چترا کے مابین ضرور کوئی خاص تعلق تھا اسی لئے چترا کسی ایک فیصلہ پہ پہنچنے سے کترا رہی تھی ـــ

آخر اس نے انگلیوں کو حرکت دیتے ہوئے خود سے کہا "اب میں یہ ظلم زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر چیترا مجھ سے محبت نہیں کر سکتی۔ تو میں کیوں اسے دیا اس کی کشمکش میں الجھا رہوں۔ میں چیترا کو مجبور کر دوں گا کہ وہ آخری فیصلہ کر دے"

کھڑکی سے ہٹ کر اس نے لمبے رہا کمرے میں چاروں طرف نظر ڈالی۔ یکایک اس کی نظر میز کی جانب گئی تو دیکھا کہ سیاہ رنگ کی ایک کتاب میز پر پڑی ہے۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ یہ چیترا کی کتاب ہے جسے وہ غصہ میں لے جانا بھول گئی

اس نے آگے بڑھ کر کتاب اٹھالی۔ اور سرسری نظر سے اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ یکایک کتاب کے درمیان رکھا ہوا ایک پرچہ نکل کر گر گیا —— وہ پرچہ اٹھانے کے لئے جھکا تو اس نے دیکھا کہ وہ کسی کا خط تھا —— لاشعوری طور پر اس کی نظر خط کے نچلے حصے پر گئی جہاں اس نے "اجیت" لکھا ہوا دیکھا۔

اجیت کا نام پڑھ کر اس کے سینے میں پھر رقابت کی آگ بھڑک اٹھی۔ کسی اور کا خط ہوتا تو شاید وہ اسے پڑھنا شرافت کے خلاف سمجھتا۔ لیکن چونکہ اجیت کا خط تھا اس لئے اس کے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ آخر اس نے خط میں کیا لکھا ہے۔

اس نے خط پڑھا —— لکھا تھا:——

ڈیر چیترا ——

تمہارا خط مل گیا تھا —— تم نے لکھا ہے کہ شادی کے لئے مجھے اپنے والدین کے ذریعہ تمہارے والدین سے گفتگو کرنی چاہیئے تمہارا خیال درست ہے۔ لیکن اس ماڈرن زمانے میں جبکہ ہر شخص کو آزادیٔ خیال کا اختیار ہے۔ جبکہ ہم دونوں باشعور

اور تعلیم یافتہ ہیں۔ اس بات کا بہتر فیصلہ ہم دونوں ہی کر سکتے ہیں —

تم اس بات کا اعتراف کر چکی ہو کہ تم مجھے ناپسند نہیں کرتیں — میں تم سے بے انتہا محبت کرتا ہوں۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم دونوں کے درمیان کون سی چیز حائل ہو سکتی ہے — اس لئے میرا خیال ہے کہ اپنے طور پر تم اپنے ماں باپ سے اس بات کا ذکر کر دو۔ اور میں اپنے ماں باپ سے اجازت لے لوں — پھر ہم دونوں کورٹ میرج کر لیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک ہو جائیں۔

امید ہے کہ تم اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر کے مجھے مشکور کرو گی — پھولوں کی وہ شام — وہ سنہری شام میرے تصورات میں زندگی بھر جگمگاتی رہے گی۔ جب میں نے پہلی بار تمہارے شکمیں لبوں سے امرت چرایا تھا۔

تمہارا اور صرف تمہارا — اجیت

خط پڑھ کر امر کا خون کھولنے لگا — چترا کی فریب کاری کا ثبوت اس کے ہاتھ آ چکا تھا۔ اسے اپنے سوال کا واضح جواب مل چکا تھا۔ کہ چترا اس کی نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک شکاری لڑکی ہے جسے مردوں کی محبتیں شکار کرنے میں لطف آتا ہے۔ وہ حقیقتاً پتھر کا ایک پھول ہے جس میں نہ بوئے وفا ہے اور نہ محبت کی نرمی — جس سے صرف وہی نہیں بلکہ دنیا کا کوئی مرد بھی لطف نہیں اٹھا سکتا —

اور اس سلسلہ میں صرف وہی بدقسمت نہیں بلکہ اجیت بھی اس کے

برابر بدقسمت ہے۔ وہ اسی کی طرح اجیت کو بھی نہ جانے کب سے فریب دے رہی ہے۔ اس کے اور اجیت کے درمیان صرف اتنا فرق تھا کہ وہ آج تک اسے پیار بھی نہ کر سکا تھا اور اجیت اس کے ہونٹوں تک پہنچ چکا تھا۔

امر کے دل میں آیا کہ اسی وقت وہ یونیورسٹی جائے اور اجیت کا یہ خط چترا کے منہ پر دے مارے اور اسے اس قدر گالیاں سنائے کہ چترا شرم کے مارے زمین میں دھنس جائے ـــــ لیکن پھر یہ سوچ کر وہ رک گیا، کہ یہ شریفوں کا شیوہ نہیں ہے۔ چترا اپنی مرضی کی مختار رہے وہ جس سے چاہے محبت کرے۔ یہی کیا کم ہے کہ اس نے مجھے محبت کا فریب نہیں دیا۔ صرف ہمدردی جتا کر میرے جذبات سے کھیلتی رہی ـــــ وہ میری کمزوری سے فائدہ اٹھاتی رہی ـــــ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ میں اس سے دیوانگی کی حد تک محبت کرتا ہوں۔ اس لئے اس نے مجھے زیادہ بڑا فریب دے کر قابو میں کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

"پھر بھی ـــــ" اس نے فیصلہ کُن انداز میں خود سے کہا۔ "ان حالات میں جبکہ مجھے چترا کی فریب کاری اور بے وفائی کا ایک ثبوت مل چکا ہے۔ اب مجھے اس سے ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر لینا پڑے گا ـــــ اب اس سے کسی قسم کی امید رکھنا سراسر حماقت ہے۔ اس میں شک نہیں کہ چترا کی جدائی ناقابل برداشت ہوگی ـــــ اس کا غم ناسور بن کر ہمیشہ مجھے ستاتا رہے گا۔ لیکن غم بھی تو انسان ہی برداشت کرتے ہیں۔ فسادات کے بعد چار سال تک وہ مجھے نظر نہیں آئی۔ اس کے باوجود اس کی یاد میرے خانۂ دل کو منور کرتی رہی ـــــ اس کی یاد کا زخم اسی طرح جھکتا رہا ـــــ اب ایک بار پھر میں اسی منزل میں پہنچ جاؤں گا ـــــ اس کی یاد اب بھی میری رفیق زندگی ہوگی ـــــ یہ

کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ انسان زندگی میں جس چیز کی خواہش کرتا ہے وہ اسے مل ہی جاتی ہے ——— چترا اگر مجھے نہیں ملے گی تو کیا ہوا ——— سینکڑوں لوگوں کی محبوبائیں مر جاتی ہیں لیکن وہ لوگ پھر بھی زندہ رہتے ہیں ——— اپنے اپنے دلوں میں اپنی محبوباؤں کی یادیں بسائے وہ دنیا کے ہر کام میں شریک ہوتے ہیں ——— میرے لئے بھی آج سے چترا مر گئی ہے ——— اور اب میں بھی آئندہ اس کی یاد کو اور زیادہ شدت کے ساتھ اپنے دل میں بسا کر زندگی سے جدوجہد کروں گا۔ مصروفیات اگر اس غم کو بالکل ختم نہیں کر دیں گی تو بھی کسی حد تک کم ضرور کر دیں گی۔ جس سے اس درد کی ٹیسیں قابل برداشت ہو سکیں گی ———"

امر اپنے کمرے میں گھنٹوں ٹہل ٹہل کر خود کو تسلیاں دیتا رہا ——— اور غم کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کرتا رہا ——— آج وہ دفتر بھی نہ گیا ——— اتنا بڑا صدمہ برداشت کرنے کے بعد اس میں کوئی کام کرنے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔

دوپہر تک وہ بغیر کچھ کھائے پئے اسی طرح ٹہلتا رہا۔ اور سوچتا رہا۔ ——— سوچتا رہا اور ٹہلتا رہا ——— آخر دو بجے کے قریب وہ کسی خاص نتیجے پر پہنچ کر کاغذ قلم لے کر چترا کے نام خط لکھنے بیٹھ گیا ———

چترا دیوی ———

شاید یہ پہلا اور آخری خط تمہیں لکھ رہا ہوں۔ صبح اجیت کے معاملہ پر تم خفا ہو کر چلی آئیں۔ لیکن، شاید قدرت کو یہی منظور تھا کہ وہ اس فریب کا پردہ چاک کر دے۔ جو تم مکڑی کے جالے کی طرح میرے گرد بن رہی تھیں ——— خوش قسمتی یا بدقسمتی سے غصہ میں تم اپنی کتاب بھی میری میز پر رکھ گئی

ہوئی بھول گئیں۔ جس میں تمہارے "رسمی" دوست اجیت کا خط رکھا ہوا تھا۔ اسی خط نے تمہاری جانب سے میری قسمت کا وہ فیصلہ کر دیا۔ جو میں صبح تم سے سننا چاہتا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک شام جب میں نے تم سے پیار کرنے کی اجازت مانگی تھی تو تم نے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ تم پہلے مرد ہو جسے میں نے اس قدر بھی آگے بڑھنے کی اجازت دے دی ہے (تمہارا مطلب ہاتھ چومنے سے تھا) لیکن اجیت کے خط نے صاف ظاہر کر دیا کہ میں پہلا مرد نہیں ہوں بلکہ پہلا مرد اجیت ہے۔ جو تمہارے "پاکباز" ہونٹوں سے لذت آشنا ہو چکا ہے —— بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ اور نہ جانے کتنے مرد ہوں گے جو نہ جانے کہاں کہاں تک پہنچ چکے ہوں گے —— بہرحال مجھے ان باتوں سے کیا —— مجھے تو تم سے اپنے بارے میں فیصلہ کن جواب چاہیئے تھا اور وہ مل گیا —— تم اجیت کو شادی کا فریب دے کر اور مجھے محبت نما ہمدردی کا فریب دے کر موہوم امیدوں کے سہارے الجھائے رکھنا چاہتی ہو۔ اجیت شاید یہ گوارا کر لے لیکن میں گوارا نہیں کر سکتا —— اس لئے میں اپنے وجود کو ہٹا کر دوسرے مردوں کے لئے راستہ صاف کئے دیتا ہوں۔ یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ تم انتہائی بے وفا، سنگدل اور فریب کار لڑکی ہو۔ اجیت کا خط جس کا بہترین ثبوت ہے۔ اس خط کے ساتھ ہی اجیت کا خط بھی بھیج رہا ہوں تاکہ تم دل ہی دل

میں شرمندہ ہو سکو تاکہ تمہارا ضمیر بھی تمہیں لعن طعن کر سکے۔
میری محبت امر ہے۔ وہ اس قسم کے حادثوں سے متاثر ہونا
نہیں جانتی۔ تم چاہے کتنی بھی گندگی میں رہو تمہاری وہ یاد
جو میرے سینے میں محفوظ ہے فرشتوں سے بھی زیادہ معصوم
اور پاکیزہ ہے اور وہی تمہاری یاد زندگی بھر میری رفیق
رہے گی۔

آخر میں، اور لکھ دوں ۔۔۔ جب تمہیں ساری دنیا
ٹھکرا دے، جب اجیت جیسے بھونرے تمہارا رس چوس کر
اُڑ جائیں ۔۔۔ جب تمہیں دنیا کا کوئی مرد اپنی آغوش میں
پناہ نہ دے تو تم میرے پاس آ جانا۔ میں اس وقت بھی
تمہارے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار رہوں گا۔ لیکن
تمہارے گناہ آلود جسم کی وجہ سے نہیں بلکہ تمہاری اس
معصوم یاد کی وجہ سے۔ جو میرے من کے مندر میں دیوی کے
استھان پر براجمان ہے ۔۔۔

اور زیادہ کیا لکھوں۔ تم میں اگر غیرت کا مادہ ہوگا
تو یہ دونوں خط تمہیں بہت کچھ سبق دے سکیں گے ورنہ
کچھ نہیں ۔۔۔

فریب خوردہ ۔۔۔ "امر"

لفافہ میں دونوں خط بند کر کے اور کتاب لے کر امر یونیورسٹی گیا ۔۔۔ تعلیم
کے سلسلہ میں اسے بھی اکثر یونیورسٹی جانے کا موقعہ پڑتا رہتا تھا اس لئے
وہ سب کلاسوں سے واقف تھا۔ اتفاق سے چترا اسے یونیورسٹی لائبریری

کے باہر ہی چند سہیلیوں سے گفتگو کرتی ہوئی مل گئی ــــ وہ سیدھا چلتا ہوا اس کی طرف گیا اور کتاب اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

"آپ کی یہ کتاب رہ گئی تھی"

لفافہ اس نے کتاب کے درمیان میں رکھ دیا تھا ــ چترا نے متجسس نگاہوں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور کتاب لے لی۔

امر سلام کئے بغیر واپس پلٹ کر چل پڑا ـــ کچھ فاصلے پر پہنچنے کے بعد اس نے چترا کی آواز سُنی۔

"امر ــ"

لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی ـــ حتیٰ کہ اس نے لوٹ کر بھی نہیں دیکھا ـــ اسی طرح چلتا ہوا یونیورسٹی سے باہر آ گیا۔

باب ۷

اب اس کی زندگی بے رونق تھی — اُداس اور اکتا دینے والی — جس میں نہ کوئی حسن تھا نہ دل کشی — البتہ ایک آگ ضرور تھی، ایک ایسی آگ جو اس کی روح کو جھلس رہی تھی۔

اس حادثہ کے کئی روز بعد تک وہ بالکل دیوانوں کی طرح رہا — کسی کام میں اس کا جی نہ لگتا تھا۔ دفتر میں کام کرنے بیٹھتا تو رجسٹروں پہ چترا کا چہرا ناچنے لگتا۔ پڑھنے بیٹھتا تو لائنیں ٹیڑھی میڑھی ہو کر ناچنے لگتیں۔ ٹیوشن پڑھانے جاتا تو شاگرد اس سے سوال پوچھتے رہتے۔ اور وہ اپنے خیالات میں گم بیٹھا رہتا —

رفتہ رفتہ جب ذرا جوش کم ہوا، تو وہ اپنی حماقتوں کو سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ کچھ روز اگر میرا یہی عالم رہا تو میں پاگل ہو جاؤں گا — میری زندگی تباہ ہو جائے گی۔ میں نے شروع سے

مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ غم برداشت کئے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ میں اس غم سے گھبرا رہا ہوں ـــــ مجھے ہمت سے کام لینا چاہیئے۔ چترا تو پہلے بھی میری نہ تھی۔ صرف اس کی یاد کے سہارے میں ہر کام کر گذرتا تھا ـــــ اب بھی وہ میری نہیں بن سکی تو کیا ہوا ـــــ اس کی یاد تو میرے ساتھ ہے۔ مجھے اب زندگی کو بہتر بنانے کی جدوجہد تیز کر دینی چاہیئے ـــــ اپنی تعلیم پر زور دینا چاہیئے ایم اے کا آخری سال ہے۔ فرسٹ ڈویژن پاس ہو گیا تو بہت سی مشکلیں حل ہو جائیں گی ـــــ

غرض اسی طرح خود کو تسلیاں دے کر اس نے اپنی دیوانگی کسی حد تک دور کر دی اور پوری توجہ کے ساتھ اپنی تعلیم میں مصروف ہو گیا۔

چترا نے اس کے خط کا جواب تک نہ دیا تھا۔ نہ ہی اس دن کے بعد وہ امر سے ملنے آئی ـــــ امر کے دل میں کئی بار خواہش پیدا ہوئی کہ وہ سر تک پر کھڑے ہو کر دور ہی سے اسے ایک نظر دیکھ آئے لیکن پھر اس نے اپنی خواہشات پر قابو پا لیا۔ اور سختی کے ساتھ دوسرے کاموں میں مشغول ہو گیا ـــــ اور اس طرح غم کو دور کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

امر اصل میں کوئی بزدل یا کمزور قوت ارادی کا شخص نہیں تھا۔ وہ بڑا باہمت اور با حوصلہ شخص تھا۔ البتہ چترا کے سامنے اس کے تمام حوصلے پانی کی طرح بہہ جاتے تھے۔ اس نے فسادات کے بعد چار سال کی آوارہ گردی میں بڑی بڑی مصیبتیں جھیلی تھیں لیکن کبھی ہمت نہ ہاری۔ اسی کا ثمر تھا کہ آج وہ اقتصادی طور پر کسی قدر خوشحال زندگی گذار رہا تھا اور ایم اے کا امتحان دینے کی تیاری کر رہا تھا ـــــ

۱۹۴۷ء میں جب وہ تنہا بچ کر ہندوستان آیا تھا اور جب ملک

میں کچھ امن و امان ہو گیا تھا تو لوگوں کو دیکھ کر اس نے بھی گورنمنٹ میں اپنے نقصانات کا کلیم داخل کر دیا تھا۔ اب جس وقت اسے معلوم ہوا کہ حکومت کلیموں کا روپیہ ادا کر رہی ہے تو اس نے بھی اپنے کلیم کے لیئے دوڑ دھوپ شروع کی ——— اتفاق سے جس لڑکے کا وہ ٹیوشن کرتا تھا، اس کا باپ حکومت کے اسی محکمہ میں کسی اچھی پوسٹ پر تھا ——— اس نے امر کی مصیبت کی داستان سُنی تھی۔ اس لیئے وہ اس سے ہمدردی رکھتا تھا چنانچہ جب امر نے اس سے اپنے کلیم کے بارے میں کچھ کوشش کرنے کے لیئے کہا تو وہ فوراً آمادہ ہو گیا۔

اور یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ تین چار ماہ کے بعد امر کو اپنے کلیم کا پچاس ہزار روپیہ مل گیا۔

اس قدر روپیہ یکمشت مل جانے کے بعد امر کی ہمت دوگنی ہو گئی۔ اس نے روپیہ بینک میں جمع کر دیا۔ اور اسی طرح معمولی ملازمت و ٹیوشن وغیرہ کرتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ ایم اے کرنے کے بعد میں اس روپے کو کسی کاروبار میں لگاؤں گا

قسمت کی دیوی شاید ان دنوں اس پر ضرورت سے زیادہ مہربان تھی۔ تقدیر شاید محبت کی ناکامی کا اسے معاوضہ دینا چاہتی تھی ———

پانچ چھ ماہ سے اسے عادت سی ہو گئی تھی کہ وہ ہر ماہ ڈربی لاٹری کا ٹکٹ کسی نہ کسی طرح پیسے بچا کر خرید لیتا تھا۔ دنیا کے کروڑوں انسانوں کی طرح وہ بھی مالدار ہونے کا آسان راستہ تلاش کر رہا تھا۔ لیکن دنیا کے کروڑوں انسانوں میں صرف چند خوش قسمت ہی ایسے ہوتے ہیں جو اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں ——— اور انہیں خوش قسمتوں میں ایک امر بھی تھا ———

کلیم ملنے کے دو ماہ بعد ہی ڈربی کی لاٹری کا دوسرا دو لاکھ روپے کا انعام اس کے نام نکل آیا — ہندوستان کے تمام اخباروں نے اس کے فوٹو چھاپے اور وہ ایک دم ساری دہلی میں مشہور ہو گیا۔

امر کی جگہ اگر کوئی دوسرا نوجوان ہوتا، تو اچانک اتنی بڑی رقم مل جانے پر ضرور بگڑ جاتا۔ کیونکہ دولت کو سنبھال کر رکھنا دولت کمانے سے زیادہ مشکل ہے۔ لیکن امر میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ وہ اسی طرح ملازمت کرتا رہا اور تندہی سے ایم اے کی تیاریوں میں مصروف رہا۔

شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ چترا کے غم نے اس کی زندگی کا تمام کیف چھین لیا تھا۔ اور اب وہ دولت کے بل پر عارضی لذت حاصل کرنا نہ چاہتا تھا — جب روح کسی غم کے بوجھ تلے دبی ہو، جب دل مسرت کے احساس سے ہمکنار نہ ہو تو پھر دنیا کی کوئی خوشی بھی لذت انگیز نہیں ہوتی۔

شاید اگر چترا اس سے بے وفائی نہ کرتی۔ تو وہ دولت کے نشے میں بگڑ جاتا۔ لیکن چترا کی یاد اور اس کے غم نے اسے قابو سے باہر نہ ہونے دیا۔ بڑے صبر کے ساتھ اس نے خود کو قابو میں رکھا۔

اب اس کے پاس ڈھائی لاکھ روپیہ نقد بینک میں جمع تھا — پانچ ماہ کے بعد ایم اے کا امتحان دینا تھا۔ اسے یقین تھا کہ فرسٹ ڈویژن نہیں تو سیکنڈ ڈویژن وہ ضرور لے آئے گا۔ ان حالات میں کون ایسا باپ ہو گا جو اپنی بیٹی کی شادی اس سے کرنے کے لئے فوراً تیار نہ ہو جائیگا

لیکن امر نے اس بارے میں کبھی نہ سوچا تھا۔ اس کے پیش نظر اس وقت صرف ایم اے کا امتحان تھا۔ صرف دو چیزوں سے اسے لگاؤ تھا چترا کی یاد سے یا پڑھائی سے —

دفتر کی معمولی ملازمت اور ٹیوشن وہ امتحانات تک کرنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد اس کا ارادہ تھا کہ اپنا کوئی کاروبار شروع کر دے ــــ جہاں تک زندگی کی جد و جہد کا تعلق تھا وہ کامیاب تھا ــ خوش قسمت تھا اور خوشحال تھا ــ لیکن جہاں تک محبت کا تعلق تھا وہ اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بد قسمت انسان سمجھتا تھا۔

ایم اے کے امتحان میں صرف دو ماہ رہ گئے تھے کہ ایک روز عجیب واقعہ پیش آیا ــ رات کے نو بجے تھے۔ وہ کھانا وغیرہ کھا کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ چونکہ اب اس کے پاس روپیہ کی کمی نہ تھی اس لئے کمرے میں ہر قسم کی آرائش اور آسائش کا سامان موجود تھا۔ کھانا البتہ وہ ابھی تک ہوٹل ہی میں کھاتا تھا۔

کمرے میں آکر اس نے ایک کتاب اٹھائی اور صوفے پر نیم دراز ہو کر پڑھنے لگا ــــ دس پندرہ منٹ ہی گذرے تھے کہ دروازہ پر دستک کی آواز سنائی دی۔ امر نے سمجھا شاید پڑوس کی قریب بڑھیا ہو گی، جو کچھ روپے وغیرہ ادھار مانگنے آئی ہو گی۔ اس لئے اس نے دروازہ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اندر آ جاؤ ــ!"

دروازہ کھلا ــ کوئی اندر داخل ہوا۔ اور صوفے کی پشت پر آ کھڑا ہوا۔ امر نے لاپرواہی کے ساتھ کتاب سے نظر اٹھا کر آنے والے کی طرف دیکھا۔ پہلے لمحہ تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے

کیا یہ حقیقت ہے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے جب وہ اصل حقیقت سے خبردار ہوا تو کتاب پھینک کر صوفے سے اس طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے بجلی کا کرنٹ چھو گیا ہو۔

"تم ــــ؟" اس نے تعجب خیز لہجہ میں سرسراتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں" چترا نے نظریں جھکائے ہوئے جواب دیا۔

وہ کالی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ اس کی کھلتی ہوئی گلابی رنگت پر کالی ساڑھی اس قدر پیاری معلوم دے رہی تھی کہ امر کا جی چاہا وہ دوڑ کر وہ چترا کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لے اور کھلونے کی طرح اسے توڑ ڈالے ــــ لیکن اس نے فوراً ہی اپنے جذبات پر قابو پالیا اور کسی قدر طنزیہ انداز میں بولا:۔

"غریب خانہ پر تشریف لانے کی کیسے تکلیف فرمائی؟"

چترا ملزموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی ــــ امر کے سوال پر اس نے نظر اٹھائی۔ اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے میں کبھی اس کمرہ میں آئی ہی نہیں:"

"نہیں ــــ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ کیا مسٹر اجیت نے آپ کو یہاں آنے کی اجازت دے دی ــــ کیا....؟"

چترا نے اس کی بات کاٹ دی ــــ

"امر ــــ" اس نے کسی قدر لجاجت بھرے لہجہ میں کہا: "بھگوان کے لئے طنز نہ کرو ــــ تم میری جانب سے ایک غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہو اسی غلط فہمی کو دور کرنے میں آئی ہوں۔"

"اگر وہ غلط فہمی دور نہ بھی ہوگی تو تمہیں کیا فرق پڑے گا:" امر نے

پھر طنز کیا — "کیونکہ ظاہر ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت تو ہے نہیں۔ ایک جذبۂ رحم تھا وہ بھی اجیت کی موجودگی نے ختم کر دیا — پھر —"

"امر —!" چترا نے پھر اس کی بات کاٹ دی اور بولی "بھگوان کے لئے طنز بعد میں کر لینا۔ پہلے میری بات پوری طرح سُن تو لو —"

"اچھا تو تشریف رکھئے۔" امر نے صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اور خود ایک کرسی کھینچ کر اس کے مقابل بیٹھ گیا —

"چلو شکر ہے کہ تم نے مجھے بیٹھنے کے لئے تو کہا —" چترا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا — "ورنہ میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم مجھے دھکے دے کر اپنے کمرے سے نکال دو گے۔"

"کیوں —؟ تم مجھے اتنا بداخلاق کیوں سمجھ رہی تھیں؟"

"اس لئے کہ اب تم بڑے آدمی ہو گئے ہو —" چترا نے مسکرا کر کہا "خیر سب سے پہلے تو میں تمہیں مبارکباد دیتی ہوں، کہ تم اب اقتصادی طور پر مطمئن ہو گئے ہو —"

"مجھے روپیہ ملنے کی کوئی خوشی نہیں ہوئی۔" امر نے کہا — "جب تم ہی میری زندگی سے نکل گئیں پھر دنیا کی ساری دولت بھی اس زندگی کو مسرور نہیں بنا سکتی — شاید تمہیں معلوم نہیں کہ ڈھائی لاکھ روپیہ نقد بینک میں ہونے کے باوجود میں نے دو سو روپے ماہوار کی نوکری نہیں چھوڑی ہے نہ ہی ٹیوشن چھوڑتے ہیں۔ اس ضروری سامان کے علاوہ جو تم کمرے میں دیکھ رہی ہو، میں نے ابھی اس روپے کو چھیڑا تک نہیں۔ اپنی محنت کی کمائی میں ہی گذر اوقات کر رہا ہوں۔ اور یہ صرف اس لئے کہ مجھے زندگی میں کوئی لذت یا دلکشی محسوس نہیں ہوتی —"

"کیوں ـــ؟" چترا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تم اچھی طرح جانتی ہو ـــ"

چترا کی موجودگی میں اب وہ پھر بزدل بنتا جا رہا تھا۔ پہلے جو اس کا طنزیہ انداز تھا وہ اب بالکل ختم ہو چکا تھا۔ چند لمحوں تک دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر امر نے کہا۔

"ہاں فرمایئے ـــ کیسے تکلیف فرمائی؟"

"میں ـــ" چترا نے جھجکتے ہوئے کہا ـــ "آج میں اعتراف شکست کرنے آئی ہوں ـــ"

امر کا دل دھڑکنے لگا۔ خون میں گرمی سی گھل گئی۔ اس نے کسی قدر پرشوق لہجہ میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب صاف ہے" چترا نے کہا "لیکن ٹھہرو میں وضاحت سے ساری بات سمجھاتی ہوں۔ تمہیں یاد ہوگا کہ گذشتہ دنوں جتنی بار تم نے مجھ سے میرے جذبات اور خیالات کے بارے میں پوچھا۔ میں نے ہمیشہ یہ جواب دیا کہ ابھی تک میں خود اپنے جذبات کو نہیں سمجھ سکی۔ اس لئے فیصلہ کن انداز میں کوئی جواب نہیں دے سکتی ـــ اور یہی حقیقت بھی تھی ـــ میں اسوقت اپنے خیالات کو پوری طرح نہ سمجھ سکی تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ وہ صرف جذبۂ ترحم ہے جو مجھے تم تک کھینچ کر لاتا ہے ـــ جو مجھے تم سے ملنے پر مجبور کرتا ہے ـــ لیکن اب جب تم مجھ سے خفا ہو گئے۔ جب پانچ چھ ماہ کا یہ طویل عرصہ مجھے تم سے جدا رہ کر گذارنا پڑا۔ تو مجھے اپنے جذبات کو صحیح طور پر سمجھنے کا موقعہ ملا۔ اس عرصہ میں میں نے محسوس کیا کہ میں تمہاری کمی محسوس کرتی ہوں

تمہارے بغیر میری زندگی سکھی نہیں رہ سکتی۔ جس کے معنی یہ تھے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ چنانچہ جس وقت مجھے یہ یقین ہو گیا کہ میں واقعی تم سے محبت کرتی ہوں۔ میں فوراً تمہارے پاس چلی آئی۔ تاکہ وعدے کے مطابق اپنی شکست کا اعتراف کر سکوں؟

چترا کی باتوں سے امر کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے خون میں آہستہ آہستہ ایک نئی لذت حل کرتا جا رہا ہے ____ اس کے دل میں گدگدیاں سی ہونے لگیں۔ وہ خواب جو برسوں پیشتر اس نے دیکھا تھا، آج پورا ہو رہا تھا۔ وہ سنگدل جس کے منہ سے وہ محبت کے چند لفظ سننے کے لئے بیتاب تھا آج اعتراف کر رہی تھی ____ اس کا جی چاہا کہ وہ دوڑ کر چترا کو گود میں اٹھا لے اور دیوانوں کی طرح ناچنا شروع کر دے ____ لیکن یکا یک اجیت کا خیال اس کے بھڑکتے ہوئے جذبات کے سامنے آ کھڑا ہوا ____ اس کے دل کو پھر ایک دھکا سا لگا اور اس کی نگاہوں میں اجیت کے خط کے وہ آخری الفاظ گھوم گئے ____

"وہ سنہری شام میرے تصوّرات میں زندگی بھر جگمگاتی رہے گی جب میں نے پہلی بار تمہارے شکمیں لبوں سے امرت چرایا۔"

اس نے کسی قدر مایوسی کے لہجے میں کہا ____

"لیکن اجیت کا کیا ہوا ____؟"

"یہی وہ غلط فہمی ہے جو میں دور کرنا چاہتی ہوں"۔ چترا نے جلدی سے جواب دیا۔ "دراصل واقعہ یہ ہے کہ میں اجیت کو شروع سے صرف اپنا دوست سمجھتی تھی، لیکن بعد میں مجھے پتہ چلا کہ وہ مجھ سے دوستی کے علاوہ کچھ اور بھی چاہتا ہے۔ میں اسے دوست سمجھ کر ہر جگہ بے تکلفی سے ملتی تھی ____

لیکن ایک شام جب ہم تنہائی میں یونیورسٹی کے باغیچہ میں ٹہل رہے تھے
یکایک اس نے مجھ سے اظہارِ محبت کیا اور شادی کی درخواست کی۔ میرا اس
واقعہ کے لئے بالکل تیار نہ تھی اس لئے لڑکھڑا گئی۔ اور جلدی میں اس سے پیچھا
چھڑانے کی غرض سے میں نے کہدیا کہ شادی کے معاملہ میں وہ اپنے والدین کے
ذریعہ میرے والدین سے گفتگو کرے۔ اس کے بعد جب ہم واپس آنے لگے تو اس
نے اچانک۔ بالکل اچانک مجھے اپنی گرفت میں لے لیا اور میرے ہونٹ چوم
لئے۔

میں فوراً اس کی آغوش سے نکل گئی۔ مجھے اس پر سخت غصہ آیا لیکن غلطی میری
اپنی تھی۔ میں نے کیوں اس پر بھروسہ کیا۔ کیوں اس کے ساتھ تنہائی میں ٹہلنے آئی۔
یہی ساری باتیں سوچ کر میں خاموش ہو گئی۔ لیکن دل میں یہ تہیہ کر لیا کر آئندہ
اجیت سے نہیں ملوں گی۔

اس واقعہ کے دوسرے روز ہی مجھے اس کا وہ خط ملا جو تم نے کتاب میں
رکھا ہوا دیکھ لیا اور غصہ میں بھر کر مجھے اتنا سخت خط لکھ مارا۔ بس یہ سارا
واقعہ ہے جو نہایت صفائی کے ساتھ میں نے تمہیں سنا دیا۔ اجیت سے میرے
اتنے ہی تعلقات تھے۔ اب میں اس سے بات بھی نہیں کرتی ہوں

سارا واقعہ سنکر امر اپنے دل ہی دل میں بڑا شرمندہ ہوا۔ اُسے اپنے
اوپر غصہ آنے لگا کہ میں نے کیوں چترا پر شبہ کیا۔ خط پڑھنے کے بعد مجھے
اس سے ملکر زبانی اس مسئلہ پر گفتگو کرنی چاہئیے تھی۔

"مجھے افسوس ہے چترا" امر نے کہا "میری غلط فہمی کی بنا پر تمہیں بھی
صدمہ پہونچا اور مجھے بھی تکلیف اٹھانی پڑی۔ لیکن اس میں قصور صرف میرا
ہی نہیں ہے تمہارا بھی ہے۔ اگر تم پہلے سے ہی اپنے صحیح جذبات کا اظہار نہ

کر دیتیں تو یہ موقعہ ہی نہ آتا۔

"خیر جو ہو گیا۔ سو ہو گیا۔ چترا نے ہنس کر کہا" میری ذات سے جو کچھ تمہیں تکلیفیں یا صدمات پہنچے ہیں ان کے لئے میں معافی چاہتی ہوں۔ اور صاف صاف الفاظ میں اعتراف کرتی ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ تمہارے بنا میں خوش نہیں رہ سکتی"۔

اب تک امر اپنے جذبات کو قابو میں کئے بیٹھا تھا۔ لیکن چترا کے منہ سے یہ الفاظ سن کر اُسے خود پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔ وہ اٹھ کر چترا کے برابر صوفے پر جا بیٹھا اور اُسے اپنی آغوش میں کھینچکر زندگی میں پہلی بار اس کے گلابی ہونٹوں پر اپنے جلتے ہوئے ہونٹ چپکا دیئے۔

چترا نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ ایک طویل بوسہ کے بعد امر نے چترا کے رخسار میں چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

"اگر پہلے ہی تم مجھے پیار کرنے کی اجازت دے دیتیں تو کیا حرج تھا"۔

"تو شاید میں اس قدر وضاحت کے ساتھ اپنے جذبات کو نہ سمجھ سکتی" چترا نے جواب دیا۔ "تم سے پانچ چھ ماہ جُدا رہ کر ہی صحیح طور پر میں اپنے خیلات کو سمجھ سکی ہوں۔ اگر تم خفا نہ ہوتے تو شاید میں کبھی اعتراف محبت نہ کرتی"۔

"اگر مجھے پہلے سے یہ پتہ ہوتا تو میں کئی سال پہلے تم سے خفا ہو چکا ہوتا"۔ امر نے مسکرا کر کہا۔ اور پھر دیوانوں کی طرح چترا کے ہونٹوں پر اور رخساروں پر آنکھوں پر بوسوں کی بارش کر دی۔

آٹھواں باب

امر کی زندگی میں نئے سرے سے بہار آگئی تھی۔ محبت اور دولت کیا چیز تھی جو اُسے حاصل نہ تھی۔ اعتراف محبت کے بعد چترا کی وہ پہلی جھجک بالکل دور ہو چکی تھی۔ اب وہ امر کے کمرہ میں داخل ہوتی تو خود ہی دوڑ کر اس سے چمٹ جاتی اور اس کے گلے میں باہیں ڈال کر اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں سے ملا دیتی۔

اور یہ غالباً ایک ماہ بعد کا ذکر ہے۔ نیشنل اسٹیڈیم میں روسی آرٹسٹوں کی جانب سے ایک ڈانس اور میوزک کا پروگرام تھے۔ چترا اور امر بھی یہ پروگرام دیکھنے گئے۔ پروگرام ختم ہونے کے بعد وہ اسٹیڈیم سے باہر نکلے تو رات کے دس بج رہے تھے۔ چترا آج اپنی کار ساتھ نہ لائی تھی۔ اسٹیڈیم سے باہر سواریاں کم تھیں اور آدمی زائد اس لئے باوجود کوشش کے انہیں کناٹ پیلس تک پہونچنے کے لئے کوئی سواری نہ مل سکی۔ چترا نے مشورہ دیا۔

"چلو انڈیا گیٹ سے سکریٹریٹ ہوتے ہوئے پیدل کناٹ پیلس چلیں گے"

سخت سردیاں شروع ہو چکی تھیں چترا اگرچہ سرخ رنگ کا گرم کوٹ پہنے ہوئے تھی پھر بھی وہ سردی کی وجہ سے کانپ رہی تھی۔ راستہ بھی کافی طویل تھا اس لئے امر نے جواب دیا۔

"راستہ طویل ہے اس لئے تم پیدل چلتے ہوئے تھک جاؤ گی۔ پھر سردی بھی کافی ہو رہی ہے۔"

"تم میرا فکر مت کرو" چترا نے امر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "نہ مجھے سردی لگ رہی ہے اور نہ میں چلنے سے گھبراتی ہوں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

امر نے جواب دیا اور وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالکر انڈیا گیٹ کی جانب چل پڑے۔

تیرھویں یا چودھویں تاریخ کا چاند آسمان پر جگمگا رہا تھا جس پر سفید بادلوں کا ایک حریری پردہ پڑا ہوا تھا جسکی وجہ سے ایک پراسرار رنگین ہالہ چاند کے گرد بن گیا تھا۔

انڈیا گیٹ کی دونوں جانب فوارے سرخ اور سبز رنگ کی روشنی میں بڑے دلفریب نظر آرہے تھے۔ جیسے دو پریاں اپنے پر پھیلائے ناچ رہی ہوں سڑک بالکل سنسان تھی کبھی کبھی کوئی موٹر شور کرتی ہوئی ان کے قریب سے گذر جاتی اور پھر وہی خاموشی چھا جاتی۔ کائنات پر ایک طلسمی سکوت چھایا ہوا تھا۔ انڈیا گیٹ سے نکلنے کے بعد امر نے چترا کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور دونوں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ چلتے چلتے ایک جگہ چترا کو ٹھوکر لگی تو امر نے اسے سنبھالتے ہوئے کہا۔

"گر مت پڑنا!"

"گر جاؤں گی تو تم سہارا دے دینا" چترا نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "بولو دو گے مجھے سہارا؟"

"ہاں میری بانہیں زندگی بھر تمہیں سہارا دینے کے لئے کشادہ رہیں گے!"

"وعدہ کرتے ہو؟" چترا نے ایک عجیب سے لہجہ میں کہا۔

"ہاں۔ میری زندگی۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔" امر نے جواب دیا اور چلتے چلتے رُک کر اس کے ہونٹ چوم لئے۔

انڈیا گیٹ سے سیکرٹریٹ تک کی لانبی سڑک کسی حسینہ کی مانگ میں چُنی ہوئی افشاں کی طرح جگمگا رہی تھی۔ سڑک پر لگے ہوئے بجلی کے قمقموں کو کہرے نے سرمئی سا غلاف پہنا دیا تھا۔ دھندلی روشنی میں وہ دونوں سایوں کی طرح ایک دوسرے سے چپٹے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ وہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر تھے۔ ہر وہ بجلی کے کھمبوں کے درمیان جہاں تاریکی قدرے زیادہ ہوتی وہ ایک لمحہ کے لئے رُک کر ایک دوسرے سے چمٹ جاتے۔ پیار کرتے اور پھر چل پڑتے۔

سڑک کے ایک جانب پتلی سی نہر تھی جو انڈیا گیٹ سے سکرٹریٹ تک جاتی تھی۔ پانی کی چھوٹی چھوٹی لہروں میں چاند کی دھندلی کرنیں تڑپ رہی تھیں۔ راستہ میں چند درختوں کے سائے میں گہری تاریکی دیکھ کر چترا نے کہا۔

"منظر کتنا سہانا ہے۔ آؤ کچھ دیر یہاں بیٹھیں گے۔"

"تمہیں دیر ہو جائیگی۔" امر نے کہا۔

"کوئی فکر نہیں۔" چترا نے پر جوش لہجہ میں جواب دیا۔ "آج میں ممی کی ناراضگی برداشت کر لوں گی۔ تمہاری خاطر میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں۔"

"لیکن ٹھنڈ ہو رہی ہے۔" امر نے پھر اعتراض کیا۔ "مجھے ڈر ہے کہیں تمہاری طبیعت کچھ خراب نہ ہو جائے۔"

"اوہ! تم میرا غم نہ کرو۔ میں مر نہیں سکتی۔ جب تک تم موجود ہو مجھے کسی چیز کا خوف نہیں۔ تمہارے بازوؤں کی گرمی میں برف باری بھی مجھ پر کوئی اثر

نہیں کر سکتی!"

امر اب لاجواب ہوگیا اور وہ دونوں سڑک سے ہٹ کر چند فرلانگ کے فاصلے پر کھڑے ہوئے ان درختوں کے جھنڈ میں جا بیٹھے۔ امر کے ہاتھ میں اخبار تھا وہ اس نے زمین پر بچھا دیا اور دونوں بیٹھ گئے۔ چترا نے خود کو اس کی آغوش میں ڈال دیا اور اس کی جانب ایسی نگاہوں سے دیکھنے لگی جنمیں ایک عجیب سی تڑپ تھی۔ ایک عجیب سی خواہش تھی۔ جیسے وہ امر سے کچھ طلب کرنا چاہتی ہو۔ لیکن امر اس کی خاموش نگاہوں کا مفہوم نہ سمجھ سکتا ہو۔

"یہ رات کتنی سہانی اور مستی بدوش ہے" امر نے اسکے رخساروں سے کھیلتے ہوئے کہا۔

چترا کا تنفس لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک شعلوں میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا سینہ طوفان میں آئی ہوئی کشتی کی طرح ڈول رہا تھا۔

"امر" چترا نے امر کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ سے لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں چترا" امر نے جھک کر اس کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے اور چترا نے اس کی آغوش میں بیٹھے بیٹھے ہی اپنی باہیں اس کی گردن میں ڈالدیں اور اس طرح اس سے چمٹ گئی۔ جیسے اب کبھی جدا نہیں ہوگی۔

تھوڑی دیر کے بعد امر نے کہا۔

"چلو چترا اب چلتے ہیں"

"نہیں ابھی نہیں۔ چترا نے ایک شرابی کی طرح لڑکھڑاتے ہوئے لہجہ میں کہا:
"ابھی نہیں فطرت سے کہہ دو کہ یہ رات کبھی ختم نہ ہو۔ ہم زندگی بھر اسی طرح

اسی جگہ بیٹھے رہیں گے"۔

"نہیں چترا"۔ ہم فطرت کو نہیں بدل سکتے۔ ہمیں جذبات سے بے خود ہوکر اپنے ماحول اور اپنے سماج کو نہیں بھولنا چاہئے"۔

"تم بھی کیسے آدمی ہو امر"۔ چترا نے پیار بھری ملامت سے کہا"۔ ایسے وقت میں جب دنیا کی ساری لذتیں اور بہاریں ہمارے قدموں میں پڑی ہیں تم ماحول اور سماج کا ذکر کر رہے ہو"۔

امر بھی بچہ نہ تھا وہ چترا کے جذبات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ لیکن وہ ایک مضبوط قوت ارادی کا مالک شخص تھا۔ وہ جذبات کے دھارے میں بہہ کر لغزش کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ چترا سے صحیح معنوں میں محبت کرتا تھا اُسے زندگی بھر کے لئے اپنا بنانا چاہتا تھا۔ بھونروں کی طرح وقتی طور پر اس کا رس چوسنا نہیں چاہتا تھا۔ چترا اس وقت کھلے ہوئے پھول کی مانند اس کی آغوش میں پڑی تھی۔ تاریکی تھی۔ تنہائی تھی۔ وہ اس پھول کو مسل کر اپنی ہوس کا نشانہ بنا سکتا تھا لیکن اس نے یہ مناسب نہ سمجھا وہ اپنے کیرکٹر کو داغدار بنانا نہ چاہتا تھا۔ یہ بات نہیں کہ وہ منظر کی جذبات برانگیختہ کر دینے والی مستی سے وہ متاثر نہیں ہوا تھا۔ اس کے دل میں بھی ایک طوفان اُٹھ رہا تھا۔ اس کا بھی جی چاہ رہا تھا کہ وہ چترا کو اپنے بازوؤں میں بھینچ کر اسے مسل کر رکھ دے۔ لیکن وہ بڑی ہمت کے ساتھ اپنے طوفانی جذبات پر قابو پائے رہا۔

آخر کچھ دیر کے بعد امر کے بار بار اصرار پر چترا واپس چلنے کے لئے تیار ہوگئی۔ لیکن اب وہ سہمی سہمی سی تھی۔ جیسے اس کی حسرتوں پر اوس پڑ گئی ہو چلتے وقت اس نے صرف اتنا کہا۔

"تم حد سے زیادہ سیدھے ہو امر۔ وقت کی بخششوں سے لطف اندوز ہونا نہیں جانتے۔"

امر نے اسکی کمر میں ہاتھ ڈال کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو چترا۔ میں بھونرا نہیں ہوں۔ انسان ہوں۔ میں تمہاری مستقل رفاقت کا طلبگار ہوں۔ میرے سینہ میں بھی جذبات ہیں، میری رگوں میں بھی جوانی کا کھولتا ہوا لاوا بھرا ہوا ہے۔ میرے بازوؤں میں بھی آہنی گرفت ہے۔ جو کسی معصوم دوشیزہ کو اپنے حلقہ میں لے کر مسل سکتے ہیں لیکن میں اسے گناہ سمجھتا ہوں۔ اس وقت تک گناہ سمجھتا ہوں جب تک ہم سماج کی نظروں میں ہمیشہ کے لئے ایک نہ ہو جائیں۔"

اس کے بعد وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ راستے بھر وہ دونوں اپنے اپنے خیالات میں کھوئے رہے۔ چترا کی زندگی کا یہ رُخ امر کے لئے بالکل نیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ آج چترا کو کیا ہو گیا ہے۔ کم از کم آج اُسے یہ ضرور یقین ہو گیا تھا کہ چترا غیر معمولی طور پر جذباتی لڑکی ہے، جو وقتی جوش کی آندھی میں اپنے اچھے بُرے کو بالکل بھول جاتی ہے۔ باقی راستہ مکمل خاموشی میں کٹا۔ گیارہ بجے وہ کناٹ پیلس پر پہنچے۔ چترا نے بجھے ہوئے لہجہ میں امر کو الوداع کہا اور اپنی کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ امر وہاں سے پھر پیدل اپنے کمرہ کی جانب روانہ ہو گیا۔

بستر پر لیٹنے کے بعد بھی اُسے نیند نہ آسکی۔ چترا کی جذباتی زندگی کا یہ رُخ بار بار اس کے ذہن میں سر ابھارتا۔ اور اُسے نامعلوم خدشات میں الجھا دیتا۔

امر سوچ رہا تھا اگر چترا اسی قدر نا عاقبت اندیش لڑکی ہے۔ جتنا اس نے آج خود کو ثابت کیا ہے۔ پھر تو وہ اپنی زندگی کے ایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہے جہاں اگر اس کو سہارا نہ دیا گیا۔ جہاں اگر اس کو روشنی دکھا کر صحیح راستہ نہ دکھایا گیا تو وہ کسی وقت بھی زندگی کی تاریک اور پُر ہول راہ کی جانب بڑھ سکتی ہے۔ جوانی کے جوش میں وہ ایک ایسے پُل پر آکھڑی ہوئی جو بظاہر بہت خوبصورت ہے لیکن وہ کسی وقت بھی ٹوٹ کر نیچے بہتے ہوئے طوفانی دریا میں گر سکتا ہے۔

"ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟" اس نے خود سے پوچھا۔ پھر خود ہی جواب دیا۔

"میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔ سوائے اس کے اسے سمجھاتا رہوں۔ اور خود کو کبھی جذبات سے بے قابو نہ ہونے دوں۔"

انہیں تمام باتوں پر غور کرتے کرتے اس کی آنکھیں جھپکنے لگیں اور وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

آنکھ لگی تو امر خواب کی رنگین دنیا میں پہنچ گیا۔

اس نے دیکھا کہ دور تک ریگستان پھیلا ہوا ہے۔ جہاں نگاہ تک پیلے پیلے ریت کے علاوہ کچھ نہیں جس میں جگہ جگہ ریتیلے ٹیلے سینہ تانے کھڑے ہیں۔ آسمان پر چودھویں کا چاند جگمگا رہا ہے۔ ریت پر بنی ہوئی ہوا کی لہریں کہکشاں ان سانپوں کی طرح چمک رہے ہیں۔ سنہری چاندنی میں ریت کے ذرات اس طرح چمک رہے ہیں جیسے جواہرات ٹکڑے ٹکڑے کر کے بکھیر دیے

سکے ہوں۔

اور اس ریگستان میں امر کسی کے نقش پا تلاش کرتا ہوا چلا جا رہا ہے اور افق کے پاس جہاں زمین و آسمان ملتے ہیں۔ ایک تاریک سا سایہ متحرک ہے جس کے نقش پا سانپ کی طرح ریگستان میں پھیلے ہوئے ہیں اور امر انہیں نقش پا کے سہارے اس موہوم سایہ کو پکڑنے کے لئے آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

یکایک خواب کا منظر بدلا۔ اس نے دیکھا کہ چترا اس کے پہلو میں ہے اور وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اسی ریگستان میں آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں لیکن اس وقت رات نہیں ہے بلکہ دن ہے۔ صبح کا سورج سرخ آگ کے گولے کی مانند افق مشرق سے ابھر رہا ہے۔ سرخ شعاعیں ریگستان کے سینے پہ تڑپ رہی ہیں نسیم سحر ریت پر دبے پاؤں چل رہی تھی۔ وہ دونوں گرد و پیش کے ماحول سے بے خبر آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ لیکن ایک ساتھ ہونے کے باوجود ان میں ایک کھنچا ؤ تھا۔ ایک غیریت تھی۔ ظاہرا وہ دونوں ایک تھے لیکن اندرونی طور پہ وہ ایک دوسرے کو جدا جدا محسوس کر رہے تھے۔

چلتے چلتے یکایک ریگستان میں ایک آندھی اٹھی۔ سورج کا سرخ گولا دھندلے غبار میں چھپ گیا۔ امر کی آنکھوں کے گرد بھی وہ غبار چھا گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد جب غبار دور ہوا تو اس نے دیکھا چترا غائب تھی۔

کچھ لمحوں کے بعد منظر پھر بدل گیا۔ اب اس نے دیکھا کہ وہ اور چترا باغ کے ایک گوشہ میں ٹہل رہے ہیں۔ بہار اپنی پوری جلوہ فرمائیوں کے ساتھ ہر طرف مسکرا رہی ہے۔ رنگ برنگ کے پھول مسکرا رہے ہیں تتلیاں

اِدھر سے اُدھر تھرکتی پھر رہی ہیں۔ چترا اس سے لپٹی ہوئی چل رہی ہے اس کا ہاتھ چترا کی کمر میں ہے۔ وہ دونوں ایک عجیب قسم کے نشہ میں مست ہیں۔ اپنے ماضی و مستقبل سے لاپرواہ۔ جیسے انہیں کسی چیز کا علم نہ ہو۔ حتیٰ کہ وہ اپنے وجود سے بھی بے خبر تھے

یکایک چترا نے ایک چیخ ماری۔ امر نے چونک کر دیکھا تو ایک سیاہ سانپ چترا کے پیروں کو چمٹا ہوا تھا۔

قبل اس کے کہ وہ سانپ کو مارنے کے متعلق کچھ سوچتا اس کے دیکھتے ہی دیکھتے یکایک چترا کا چہرہ سیاہ ہونے لگا اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑی۔ اسی وقت گھبرا کر امر کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ طرح طرح کے خوفناک خیالات نے اُسے گھیر لیا۔ گھڑی دیکھی تو اس میں دو بج رہے تھے۔ اس کے بعد امر کو نیند نہ آسکی صبح تک وحشت آمیز خیالات اس کے دماغ میں کھلبلی مچاتے رہے۔ اور وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ وہ حیران تھا کہ آخر اس نے ایسا خواب کیوں دیکھا۔ کیا سچ مچ ایسا ہونے والا ہے کہ چترا مجھ سے ہمیشہ کے لئے چھین لی جائے گی۔ کیا کوئی خوفناک حادثہ پیش آنے والا ہے؟

نواں باب
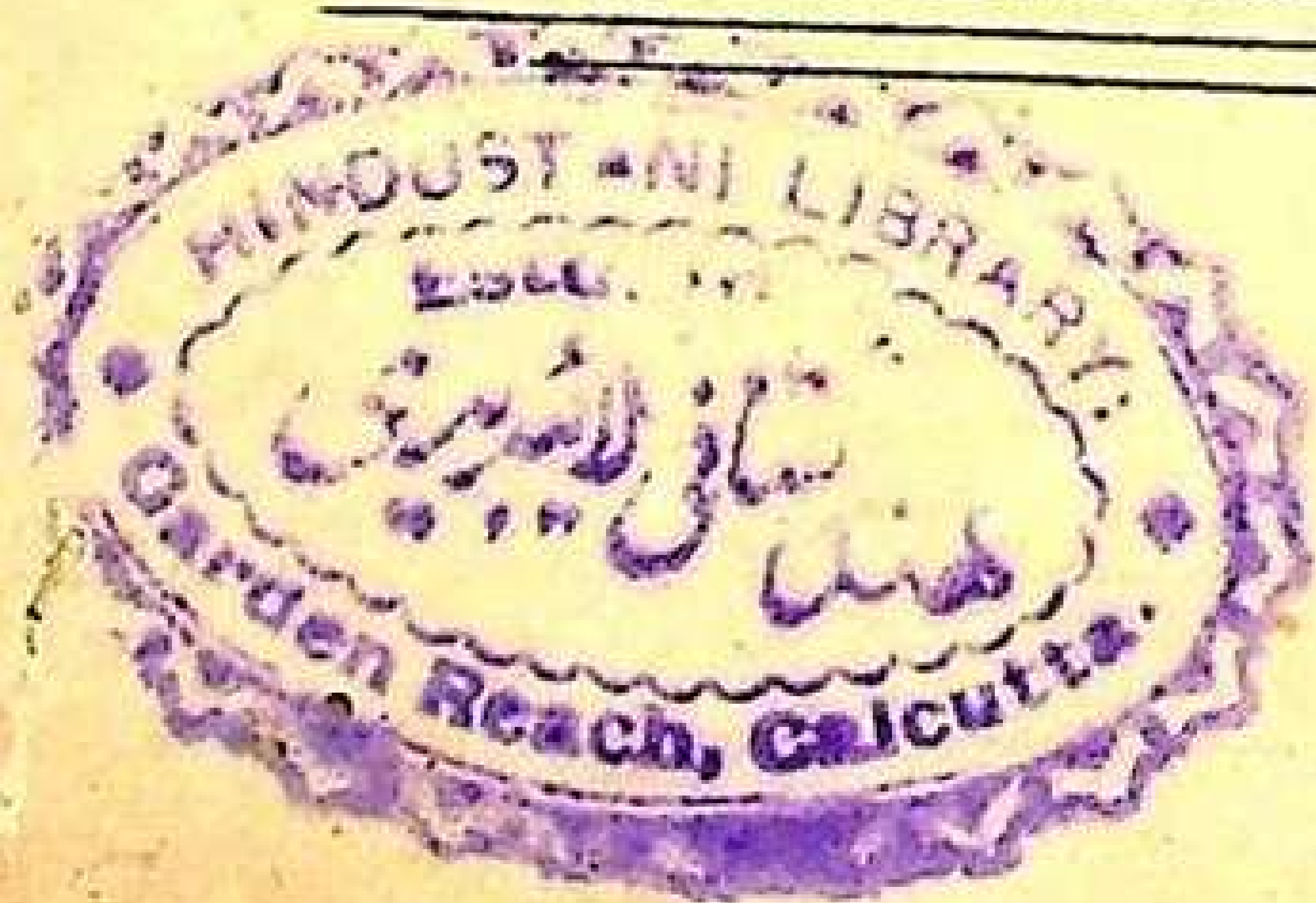
آخر وہ خوفناک حادثہ پیش آگیا جس کی پیشین گوئی امر کے خواب نے کی تھی۔ یہ غالباً ایک ڈیڑھ ماہ بعد کی بات ہے کہ ایم۔ اے۔ فائنل کا امتحان ہو چکا تھا۔

امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد ایک روز وہ اور چترا قطب مینار پر گھومنے گئے۔ ایسے موقعوں پر عموماً چترا اپنی کار ساتھ نہ لاتی تھی۔ وہ لوگ ٹیکسی سے آئے۔ سارے دن گھومتے پھرے۔ امر قطب مینار پر اوپر بھی گیا۔ لیکن چترا تھک جانے کے خوف سے اوپر نہ گئی۔ شام کو جب سیر سے ان کا دل بھر گیا تو وہ واپس ہوئے۔

شام کے وقت واپسی پر انہیں ٹیکسی بھی نہ مل سکی مجبوراً وہ موٹر سائیکل رکشا کرایہ کر کے اس میں بیٹھ گئے۔ لیکن اتفاق سے کناٹ پلیس پہونچنے سے پہلے ہی رکشا کے ایک پہیے میں پنکچر ہو گیا۔

وہ دونوں اتر کر کسی دوسری گاڑی کا انتظار کرنے لگے۔ جب کافی دیر

ہوگئی تو امر نے کہا۔

"میرے خیال میں یہاں سے کناٹ پلیس زیادہ سے زیادہ دو تین میل ہوگا کیوں نہ پیدل چلیں۔"

"چلیے۔" چترا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

دونوں پیدل چل پڑے۔ کچھ دور چل کر چترا نے کہا۔

"نہ جانے کیوں مجھے چکر سے آتے ہوئے محسوس ہو رہے ہیں۔"

"شاید تھکن کی وجہ سے۔" امر نے کہا "تھوڑی دور اور چلی چلو راستہ میں کوئی ٹیکسی مل گئی تو روک لیں گے۔"

تھوڑی دور اور چل کر چترا کی حالت واقعی خراب ہونے لگی۔ اس نے امر کے شانے کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

"امر میری طبیعت خراب ہوتی جا رہی ہے۔ سر چکرا رہا ہے۔ میں گر نہ پڑوں، اس لئے یہیں ٹھہر کر کوئی ٹیکسی کر لو۔"

امر نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ اتفاق سے ایک خالی ٹیکسی گذرتی ہوئی نظر آ گئی۔ امر نے اشارہ سے اسے بلایا۔ اور چترا کو سہارا دیکر اندر ٹیکسی میں بٹھا دیا۔ چترا کی حالت لمحہ بہ لمحہ خراب ہوتی جا رہی تھی۔ دن بھر بھاگنے دوڑنے سے وہ بہت زیادہ تھک گئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد بھی اس کے چکر نہ رُکے بلکہ وہ چند منٹ بعد ہی بیہوش ہو کر امر کی گود میں گر پڑی۔

امر اس حادثہ کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ وہ گھبرا گیا کہ اب کیا کرے۔ ایسی حالت میں اس کے گھر لے جا کر چھوڑنا بالکل غلط تھا اور وہ اسے اپنے کمرہ پر بھی نہ لے سکتا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے ٹیکسی

ڈرائیور سے کہا۔

"بھئی گاڑی کسی اچھے ڈاکٹر کی دوکان پر لے چلو۔ ان کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے"

ٹیکسی ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلایا اور گاڑی کا رخ موڑ دیا۔ چند منٹ بعد ہی وہ ڈاکٹر کی ڈسپنسری میں پہنچ گئے۔ امر نے ڈسپنسری سے نرس کو بلا کر بے ہوش چترا کو اتارا اور معائنہ کے کمرے میں میز پر لے جا کر لٹا دیا۔ ڈاکٹر بڑی دیر تک چترا کا معائنہ کرتا رہا۔ اور امر باہر بنچ پر بیٹھا ہوا بے چینی سے پہلو بدلتا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر باہر نکلا اور امر سے مخاطب ہوا۔

"کیا آپ لوگ آج کافی دیر پیدل چلتے رہے ہیں"۔

"جی ہاں" امر نے اٹھتے ہوئے کہا "ہم آج ذرا قطب مینار گئے تھے"۔

"آپ کو اب محتاط رہنا چاہیئے" ڈاکٹر نے سنجیدہ لہجہ میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اب تو میں نے انجکشن دے دیا کچھ دیر میں وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ لیکن آئندہ ان سے جسمانی محنت نہ کرایا کریں"۔

"کیوں" امر نے حیرت سے پوچھا۔ اسکا دل دھڑکنے لگا۔

"کیوں"؟ ڈاکٹر نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔ پھر بولا "اس لئے کہ آپ عنقریب ہی ایک بچے کے باپ بننے والے ہیں۔ یہ غالباً تیسرا مہینہ ہے"

"باپ" امر کے منہ سے سرسراتے ہوئے لہجہ میں نکلا اور اس کو یکایک ایسا محسوس ہوا جیسے ڈاکٹر نے فولاد کا بھاری ہتھوڑا اٹھا کر اسکے سر پہ دے مارا ہو۔ سارے خواب چکنا چور ہو کر ایک چھناکے کے ساتھ گر پڑے

سارے سارنگ محل گڈ مڈ ہو کر ڈھیر ہو گئے۔

اس کی آنکھوں کے سامنے تتلیاں سی اُڑنے لگیں۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے ڈاکٹر نے پگھلتا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا ہے۔

"چترا حاملہ ہے۔ چترا ایک بچے کی ماں بننے والی ہے اس بات کا اُسے یقین ہی نہ آ رہا تھا۔ لیکن ڈاکٹر کہتا تھا۔ ڈاکٹر کی بات کبھی تو نہیں جھٹلائی جا سکتی تھی۔ پھر یہ کیا ہوا؟ اس بچے کا باپ کون ہے؟ وہ کس کا بچہ ہے؟ کیا اس وقت تک چترا مجھے فریب دے رہی تھی۔ میں نے تو اس کی پاک عصمت کے بارے میں کبھی بُرا خیال بھی نہیں کیا۔ پھر یہ بچہ کہاں سے آ ٹپکا۔

ڈاکٹر اُسے حیران اور خاموش دیکھ کر مسکراتے ہوئے چلا گیا اور اپنے دوسرے مریضوں کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ اور امر اُسی جگہ بیٹھے ہوئے سوچتا رہا۔

"تو یہ تھا وہ سیاہ سانپ نہ جسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ گناہ کا سانپ جس نے چترا کو ڈس لیا تھا۔ جس نے چترا کو اس سے چھین لیا تھا"

امر کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔ اسے اپنے دماغ کی تمام رگیں پھٹتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ اس کی نگاہوں میں ساری دنیا اندھیر ہو چکی تھی اس کے لئے آج چترا مر چکی تھی۔ اُسے گناہ کے سیاہ سانپ نے ڈس لیا تھا جو شاید کسی اجیت کی مہربانی سے اس کے پیٹ میں کلبلا رہا تھا۔

وہ چترا کے ہوش میں آنے کا انتظار کئے بغیر اُٹھا۔ اور چپکے سے ڈسپنسری سے نکل کر باہر آ گیا۔ اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی جانب روانہ ہو گیا۔ شاید اگر اُسے بازار کا خیال نہ ہوتا تو وہ دوڑنے لگتا۔ ایسا معلوم

ہوتا تھا جیسے وہ کسی بھیانک جنس سے خوفزدہ ہے جیسے وہ دنیا اور اس کے فریب سے
دور بھاگ جانا چاہتا ہو۔

گھر آکر سب سے پہلے اس نے ایک خط لکھا۔

گناہ آلودہ چترا۔

آخری سلام

جی چاہتا ہے کہ دنیا میں جتنی گالیاں اور کوسنے مروج ہیں
وہ سب تم کو لکھ دوں۔ لیکن خوشی ہے کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں
تم مجھے فریب دیتی رہیں۔ ایسا فریب جس کی میں کم از کم تم سے
توقع نہیں کر سکتا تھا۔ جس کا ثبوت تمہارے پیٹ میں کلبلاتا ہوا
تمہارا گناہ ہے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دوبارہ تم میری طرف
اپنے مطلب سے ڈھلی تھیں۔ اب میری آنکھیں پوری طرح کھل
چکی ہیں اور ایک ایک بات واضح طور پر میری سمجھ میں
آچکی ہے۔

تم اصل میں اجیت سے محبت کرتی تھیں۔ اور مجھے آڑے
وقت ہی کے کام آنے کے لئے بے وقوف بنا کر رکھنا چاہتی تھیں۔
کیونکہ تمہیں شبہ ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ اجیت کبھی ضرور تمہیں
دھوکا دے گا۔

وہی ہوا۔ تمہاری عصمت لوٹنے کے بعد جب اجیت کو پتہ
چلا کہ تم اس کے گناہ کا پھل پرورش کرنے لگی ہو تو وہ تم سے الگ
ہو گیا اور تم اس مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لئے اکیلی رہ گئیں۔
لیکن تم گھبرائی نہیں۔ تم نے اسی دن کے لئے مجھے بے وقوف بنا رکھا تھا

تم فوراً میری جانب رجوع ہوگئیں۔ تم نے سوچا میں بے وقوف بھی ہوں اور دولت
مند بھی اس لئے اجیت اگر نہیں مل سکتا تو مجھ پر بھی گذارا کیا جا سکتا ہے
میں وہ رات کبھی نہیں بھول سکتا جب نیشنل اسٹیڈیم سے آتے ہوئے
رات کو ساڑھے دس بجے ہم ان درختوں کے تاریک سائے میں بیٹھے تھے اس
روز تم مجسم ہوس بنی ہوئی تھیں۔ تم بار بار مجھے گناہ کرنے پر اکسا رہی تھیں
بار بار اپنی جوانی کی آڑ لے کر مجھے گناہ کی دعوت دے رہی تھیں۔ لیکن میں
ہوش سے کام لیکر اپنا پہلو بچاتا رہا۔
اس روز میں تمہاری اس بے باکی اور بے تکلفی پر کافی حیران ہوا تھا۔ لیکن آج
وہ بات پوری طرح میری سمجھ میں آگئی ہے۔ اب میں سمجھ گیا ہوں کہ اس
روز دانستہ تم یہ چاہتی تھیں کہ میں گناہ میں ملوث ہو جاؤں تاکہ بعد میں تم اجیت
کے اس گناہ کو میرے سر تھوپ سکو۔ اور میں غلط فہمی میں مبتلا ہو کر تمہیں اور
تمہارے اس گناہ کو اپنا لوں۔ شروع سے آخر تک تم مجھ سے فریب کرتی رہی
ہو۔ اگرچہ تمہاری جانب سے کسی وفا کی اُمید نہیں رکھتا تھا۔ پھر بھی مجھے یہ قطعاً
خیال نہیں تھا کہ تم اس قدر ہولناک فریب بھی کھیل سکتی ہو۔
بہرحال۔ اب حقیقت واضح ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر نے تمہارے گناہ کا
بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔
میں اب اپنی قسمت کی جانب سے اور دُنیا سے بالکل مایوس ہو چکا
ہوں اور آج ہی دہلی چھوڑ رہا ہوں۔ دہلی مجھے راس نہیں آئی۔ میں جا رہا
ہوں۔ کہاں؟ اس کے بارے میں میں خود بھی کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ اب
میں دنیا سے اکتا چکا ہوں۔ لیکن پھر بھی خودکشی کرنا چونکہ جرم ہے اس لئے تمہاری
یاد کے سہارے زندگی سے جدوجہد کرونگا۔ تمہاری یاد میری زندگی کا

سہارا ہوگی۔ جو پاک اور معصوم ہے وہ تمہاری طرح فریب کار ہے اور نہ گناہ آلودہ۔

اور کیا لکھوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اب تم مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ کیونکہ شاید تم اب مجھ کو کبھی نہ دیکھ سکو۔

فقط بدنصیب

ام

یہ خط لکھ کر چنزا کی کوٹھی کے لیٹر بکس میں ڈال دیا پھر اس نے ایروڈرم کو فون کر کے دریافت کیا کہ گیارہ کوئی جہاز کسی جانب پرواز کرتا ہے۔ اور اگر کرتا ہے تو کیا اس میں کوئی سیٹ خالی مل سکتی ہے۔

جواب ملا کہ ہاں گیارہ بجے ایک جہاز بمبئی کے لئے اڑتا ہے اور اس میں سیٹیں بھی خالی ہیں۔

امر نے فوراً اپنے پہننے کے کپڑے ایک سوٹ کیس میں بند کئے اور کمرہ کو تالا لگا کر ہوائی اڈے کی جانب روانہ ہو گیا۔

دسواں باب

"ارے! آپ نے کافی نہیں پی" ہوسٹس کی سریلی آواز نے پھر اُسے چونکا دیا۔

"آں۔ ہاں۔ وہ تو میں بالکل ہی بھول گیا" امر نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"کیا بہت زیادہ سوچنے کی عادت ہے؟" ہوسٹس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تو" امر نے جواب دیا "پہلے تو ایسی عادت نہیں تھی۔ لیکن اب شاید زندگی بھر سوچنے کے علاوہ کچھ نہیں"

"خوب۔ بہت خوب" لڑکی نے شوخی سے کہا "کیا آپ شاعر ہیں؟"

امر نے ایک بھرپور نظر لڑکی پہ ڈالی۔ اور اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اُس سے پوچھا۔

"آپ کا نام؟"

"دیپ مالی"

"تم یقیناً دیپ ہو" امر نے شاعرانہ لہجہ میں کہا "تم اندھیرے دلوں میں بھی اجالا

کرسکتی ہو۔ لیکن کاش......!؟

"کاش کیا" دیپ نے آہستہ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ تم میری وجہ سے کیوں دردسری مول لے رہی ہو"

"اس لئے کہ آپ کچھ غمگین نظر آتے ہیں۔ اور مجھ سے کسی کا غم نہیں دیکھا جاتا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میرا کام ہی جہاز میں سفر کرنے والے مسافروں کا دل بہلانا ہے"

"وہ تو ٹھیک ہے" امر نے کہا "لیکن میرا غم ایسا ہے جس سے چھٹکارا پانا ناممکن ہے"

"دُنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں"

"اچھا جی" امر نے کس قدر شوخ لہجہ میں کہا۔ دیپ کی شوخی نے اُسے ماضی سے کھینچکر حال کے دامن میں لا ڈالا تھا۔ اُس نے ہنس کر پوچھا۔

"کیا واقعی دُنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں؟"

"نہیں" دیپ نے سینہ تانتے ہوئے کہا۔

"تو ذرا اس جہاز سے نیچے کود کر دکھاؤ"

"کودنا ناممکن تو نہیں ہے" دیپ نے کہا "لیکن چونکہ میں موت کے مقابلہ میں زندگی پسند کرتی ہوں۔ اس لئے کودنے کی چنداں ضرورت نہیں"

"کافی سمجھدار معلوم ہوتی ہو"

"چلئے آپ نے سمجھا تو سہی" ایک لمحہ کے لئے خاموش رہ کر اس نے سوال کیا۔

"کہاں جائیے گا؟"

"جہاں یہ جہاز جائے" امر نے جواب دیا۔

"کوئی منزل نہیں۔"

"ہاں" وہ میری زندگی کی اب کوئی منزل نہیں ہے۔ میں اتنی بڑی دُنیا میں اکیلا ہوں۔ اور راستے بے شمار ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کدھر جاؤں۔"

"معلوم ہوتا ہے دل پہ زبردست چوٹ کھائی ہے۔"

"ہاں" وہ "تم نے ٹھیک سمجھا۔ تم سچ مچ کسی تجربہ کار حکیم سے کم نہیں ہو۔ کیا تمہارے پاس اس درد کی دوا ہے۔"

"ہے" دیپ نے شوخی سے کہا۔ "بمبئی پہنچکر میرے مطب پر تشریف لایئے دوا مل جائے گی۔"

"اگر بمبئی کچھ دن ٹھہرا تو ضرور حاضر ہونگا۔"

دیپ نے جیب سے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر امر کی جانب بڑھا دیا۔

"یہ میرے عالیشان مطب کا پتہ ہے۔"

"شکریہ" امر نے کارڈ لے کر دیکھا۔ اس پہ لکھا تھا۔

دیپ رانی	ایر ہوسٹس
نوبل مینشن سیکنڈ فلور	
روم نمبر ۳ کالبادیوی روڈ بمبئی	

اسی وقت ایک مسافر نے دیپ کو آواز دے لی اور وہ تیز چلتی ہوئی اس مسافر کی جانب چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی تو اس نے امر سے پوچھا۔

"آپ یہاں کہاں ٹھہریں گے؟"

"کوئی پتہ نہیں۔ شاید کسی ہوٹل میں۔"

"کیوں کوئی جاننے والا نہیں ہے کیا؟"

"میرا دنیا میں کوئی بھی جاننے والا نہیں ہے۔ سب غیر ہیں۔" امر نے جواب دیا۔

"اچھا اچھا۔" ریپ نے مذاق میں اس کی بات ٹالتے ہوئے کہا۔ "بڑے مایوس نظر آتے ہو۔ کہو تو میں ایک اچھے سے ہوٹل کا پتہ بتا دوں۔"

"بتا دو۔" امر نے کہا۔

"رویہ محل ہوٹل میں ٹھہریئے۔ وہ کالبا دیوی روڈ پر ہی واقع ہے۔"

"بہت اچھا۔ اسی ہوٹل میں ٹھہر جاؤں گا۔"

"کیا کاروبار کرتے ہیں آپ؟" تھوڑی دیر کے بعد پھر ریپ نے پوچھا۔

"ابھی تک تو کچھ نہیں۔ آئندہ کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔" ریپ نے شانوں کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ کاروبار کی مصروفیات بہت سے غموں کو بھلا دیتی ہے"

"سنا تو یہی ہے۔ کاش میرے لئے بھی یہی نسخہ کامیاب ثابت ہو سکے۔"

ریپ پھر کسی کام سے چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد دوبارہ اس طرف سے گذری تو امر نے خود ہی اسے آواز دی۔

"ریپ۔"

وہ آ گئی۔ اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولی۔

"فرمایئے۔"

"تم نے تو میرے بارے میں اس قدر سوالات پوچھ لئے۔ اور اپنے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"فرمایئے۔ آپ میرے بارے میں کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"
"تم خود ہی اپنے بارے میں جو مناسب سمجھو بتاؤ"
"میرا نام دیپ رانی ہے" دیپ نے شوخی سے کہا۔
"یہ تو مجھے معلوم ہو چکا ہے"
"میں ایک لڑکی ہوں" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔
"یہ میں دیکھ رہا ہوں"
"جہاز کی کمپنی میں بطور ہوسٹس ملازم ہوں"
"اور کچھ؟"
"اور بتاؤں" دیپ نے مستی بھری نگاہوں سے۔ اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں میں سن رہا ہوں"
"اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں بھی تمہاری طرح اتنی بڑی دنیا میں تنہا ہوں۔ میرے سامنے بھی سینکڑوں راستے پھیلے ہوئے ہیں اور میں حیران ہوں کہ کونسا راستہ منتخب کروں۔ تمہاری ہی طرح میری منزل بھی لاپتہ ہے"
"بہت خوب بہت خوب" امر نے شوخی سے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا "تم بہت اچھے ڈائیلاگ بول سکتی ہو۔ پھر فلم لائن میں کوشش کیوں نہیں کرتیں"
دیپ نے گول شیشے سے باہر چاند پر نظر جماتے ہوئے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔
"اس لیے کہ مجھے اپنی عزت و عصمت دولت سے زیادہ عزیز ہے" ورنہ یہ حقیقت ہے کہ مجھ میں ایک کامیاب اداکارہ بننے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔

مَیں بچپن میں کئی سال تک رقص سیکھتی رہی ہوں۔ اور شاید آپ کو معلوم نہیں کہ کئی ڈائرکٹر اور پروڈیوسر مجھے فلم میں کام کرنے کی پیشکش بھی کر چکے ہیں۔ لیکن اس کی قیمت جانتے ہو کیا ہے"؟

"کیا؟" امر نے پوچھا۔

"ایک عورت کی عصمت"

"تمہارے ماں باپ نہیں ہیں"

"سب مر چکے ہیں۔ میری عمر تیرہ سال کی ہی تھی کہ ماتا پتا دونوں سدھار گئے۔ دو سال تک میں ایک اناتھ آشرم میں رہی لیکن وہاں کا ماحول اس قدر گندہ تھا کہ ایک روز چوری سے نکل بھاگی اور بچیوں کے ایک پرائیوٹ اسکول میں ملازمت کر لی۔ میٹرک میں کر چکی تھی اسکول میں چار سال تک رہ کر میں نے بی۔ اے کیا۔ اور اب ہوائی جہاز کمپنی میں ملازم ہوں"

"اوہ" امر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "تم نے بھی میری طرح زندگی کیلئے کافی جدوجہد کی ہے میں نے بھی اسی سال ایم۔ اے کیا ہے"؟

"تو کیا پھر اب ملازمت کرنے کا ارادہ ہے"؟

"خیال تو کچھ ایسا ہی ہے"

یکایک جہاز میں لگے ہوئے لاؤڈ سپیکر نے اعلان کیا۔

"جہاز اُتر رہا ہے۔ اس لئے مہربانی فرما کر اپنی پیٹیاں کس لیں" امر نے ریپ کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم کہاں اتر رہے ہیں"؟

"پینتیس منٹ کے لئے بھوپال ہوائی اڈے پر۔ یہاں سے اُڑ کر سیدھے بمبئی جا کر اتریں گے۔ آپ یہاں چاہیں تو کانٹین میں کھانا وغیرہ کھا

سکتے ہیں۔"

"مجھے بھوک تو نہیں ہے۔" امر نے کہا۔ "البتہ کانٹین میں ایک کپ گرم گرم کافی ضرور پیونگا۔ تم بھی اگر چاہو تو میرے ساتھ چل سکتی ہو۔"

"شکریہ۔" دیپ نے مسکرا کر کہا۔ "اگر لے چلو گے تو ضرور چلوں گی۔"

چند منٹ بعد ہی جہاز ہوائی اڈے پر آکر ٹھہر گیا۔ مسافروں کے لئے دروازہ کھول دیا گیا۔ امر اٹھا اور دیپ کو ساتھ لے کر جہاز سے باہر نکل گیا۔ دوسرے نوجوان مسافر جو سارے راستے دیپ کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے آئے تھے امر کی قسمت پر رشک کرنے لگے۔ لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ یہ ظاہرا خوش قسمت نوجوان کس قدر بد قسمت ہے۔ انہیں کیا پتہ تھا کہ اس کی دنیا میں سوائے دکھوں کے کچھ نہیں۔ اس کی پوری زندگی مصیبتوں سے ٹکراتے گذری ہے اُسے کبھی دل کھول کر ہنسنا نصیب نہیں ہوا۔

کانٹین میں پہنچکر کافی پیتے ہوئے دیپ نے پوچھا۔

"آپ بہت زیادہ مغموم نظر آتے ہیں۔ کیا کوئی اہم واقعہ پیش آگیا ہے۔"

"ہاں!" امر نے کہا۔ "ایک ایسا واقعہ جس نے میری زندگی کی تمام مسرتیں چھین لی ہیں۔"

"کیا میں پوچھنے کی جرأت کر سکتی ہوں؟"

"کیا کرو گی پوچھ کر؟"

"شاید میں کسی کام آسکوں۔"

"نہیں!! اس غم کا کوئی مداوا نہیں ہے۔"

"پھر بھی سنانے میں کیا حرج ہے۔" دیپ نے اصرار کیا۔ "سُنا ہے کہ کسی کو

اپنے غم کی داستان سُنانے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن سُنانے والے کے دل کا بوجھ سننے والے پر جا پڑتا ہے اور میں اپنی وجہ سے تمہیں مغموم نہیں کرنا چاہتا۔"

"دنیا میں ایک دوسرے کی ہمدردی ہی سے سب کچھ ہوتا ہے۔ آپ میرے دکھ کا فکر نہ کریں۔ بلکہ آپ کی باتوں نے میرا شوق بڑھا دیا ہے۔"

"نہیں ربیبہ" امر نے کپ خالی کر کے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔" میرے دل میں اس وقت اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں اپنی تباہی کی داستان سناؤں۔ پھر کبھی سہی۔"

"بہت اچھا۔ میں زیادہ اصرار نہیں کرتی۔ پھر کبھی سہی۔ لیکن یہ وعدہ ضرور کیجئے کہ آپ بمبئی پہونچکر دوبارہ بھی مجھ سے ملنے کی ضرور کوشش کرینگے۔"

"ملنے میں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن میں ڈرتا ہوں۔"

"کس بات سے۔"؟

"اپنی قسمت سے" امر نے جواب دیا۔" آج تک میں نے جس سے ہمدردی کی توقع رکھی۔ جسے اپنا بنانا چاہا۔ وہی فریب دے گیا۔ اس لئے اب میں ہر کسی سے ملتے ہوئے ڈرتا ہوں۔"

"یہی میرا اپنا بھی تجربہ ہے" ربیبہ نے غمگین لہجہ میں کہا۔" میرا ابھی کوئی دوست نہیں۔ ہوس کے پجاری بہت ملتے ہیں۔ لیکن دوست کوئی نہیں ملتا۔ میری بھی قسمت خراب ہے۔ اور تمہاری بھی۔ منطق کی رو سے نفی ضرب نفی ایک جمع کی برابر ہوتی ہیں۔ یعنی دو کمزور چیزیں ملکر ایک طاقتور چیز ہو جاتی ہیں تو کیا میری اور تمہاری دونوں کی خراب قسمتیں مل کر ایک اچھی اور مضبوط دوستی کو جنم نہیں دے سکتیں۔ میرے خیال میں ایسا ضرور ہو سکتا ہے ہم دونوں

یقیناً ایک دوسرے کے دوست اور ہمدرد ہو سکتے ہیں کیونکہ ہم دونوں ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ ہم دونوں دکھی ہیں۔ ہم دونوں کو ایک مخلص دوست کی ضرورت ہے۔"

"یہ باتیں بہت گہری ہیں دیپ۔ ظاہرا یہ چند خوبصورت اور امید افزا الفاظ ہیں لیکن درحقیقت دوستی یا ہمدردی اتنی آسان شے نہیں ہے۔ میں تمہاری نیت پہ شک نہیں کر سکتا۔ لیکن میں اپنے بارے میں پُریقین بالکل نہیں ہوں میں ایک ایسی زندگی ہوں جس کی روح مر چکی ہے۔ اس لئے شاید میں اب دوستی کو نہ نبھا سکوں۔ میں تمہیں شاید ہمدردی کے چند الفاظ نہ دے سکوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" دیپ نے جواب دیا۔ "مجھے اس کا غم نہیں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ اپنی ہمدردی سے تمہارے دکھوں کی شدت کسی قدر کم کر دوں۔ میں ہر پندرہ روز میں چار دن تک جہاز میں مسلسل سفر کرتی ہوں سینکڑوں اچھے بُرے نوجوانوں سے میرا واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن نہ جانے کیا بات ہے کہ تمہارا مغموم چہرہ دیکھ کر میرا دل بھر آیا۔ اور خواہش پیدا ہوئی کہ معلوم کروں آخر تم مغموم کیوں ہو۔ اور اب تم سے بات کرنے کے بعد تو میں یہ محسوس کر رہی ہوں جیسے ہم برسوں سے ایک دوسرے کے واقف ہیں۔ جیسے ہم بہت پُرانے دوست ہیں۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ تمہیں ایک دوست کی سخت ضرورت ہے۔ ان حالات میں اگر میں تمہارا غم مٹانے میں کام آ سکتی ہوں تو مجھے خوشی ہوگی۔ مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ تم بھی میرے دکھوں کو سنکر ہمدردی کے چند الفاظ کہو گے یا نہیں۔ دنیا میں ہر چیز کا بدلہ لینے کی خواہش کرنا بھی خود غرضی سے کم نہیں ہوتا۔"

"تم تو سچ مچ حسین فلاسفر معلوم ہوتی ہو۔" امر کے پژمردہ ہونٹوں پر

مسکراہٹ کھیل گئی۔

"ہاں" دیپ نے جواب دیا "فلسفہ کا یہ نظریہ میں نے زندگی کے تجربوں سے حاصل کیا ہے"

یکایک پھر لاؤڈ سپیکر نے جہاز کی روانگی کا اعلان کیا۔ اور وہ دونوں جلدی سے اٹھ کر جہاز کی جانب روانہ ہو گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہی جہاز پھر فضا میں پرواز کرنے لگا۔ تین گھنٹہ کے اس طویل سفر میں دیپ بار بار وقت نکال کر امر کے پاس آتی رہی۔ اور اُس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتی رہی۔ اپنی شوخ و شنگ باتوں سے اُسے ہنسانے کی کوشش کرتی رہی۔

امر کے دل و دماغ پر شام کے حادثہ کا بہت زبردست اثر تھا۔ بار بار چترا اس کے تصور میں ابھر آتی۔ جس کے ہاتھوں میں ایک نوزائیدہ بچہ ہوتا۔ دور کہیں کھڑا ہوا اُسے اجیت ہنستا ہوا نظر آتا۔ اور پھر ڈاکٹر کا چہرہ اسکی آنکھوں میں گھوم جاتا جیسے وہ کہہ رہا ہو۔

"تم ایک بچے کے باپ بننے والے ہو۔

ایسے بچے کے جس کے تم باپ نہیں ہو۔ جس کی ماں کو تم نے کبھی ہوس کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اس بچے کے تم باپ بننے والے ہو"

لیکن نہیں! یہ ناممکن تھا۔ اسی لئے وہ چترا اور اس کے ہونے والے بچے کو چھوڑ کر ایک نامعلوم منزل کی سمت بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

وہ اگرچہ بہت مغموم تھا۔ لیکن پھر بھی دیپ کی ہمدردی اور کوششوں نے کسی حد تک اس کے غم کا بار ہلکا کر دیا۔ اگر دیپ نہ ہوتی تو شاید بمبئی تک وہ اسی طرح شیشے سے لگا ہوا ماضی کی اندھیری گلیوں میں ٹھوکریں کھاتا

پکھیرتا۔

اب وہ دیپ کی آواز سنکر بار بار ماضی کے تاریک سایوں سے جھٹک کر حال کے پر اسرار ماحول میں چلا آتا۔

وقت اور ماحول کے ساتھ اسی طرح آنکھ مچولی کھیلتا ہوا وہ بمبئی کے ہوائی اڈے پر پہونچ گیا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے دیپ سے کہا:

"دیپ رانی تمہارا بہت بہت شکریہ۔ تمہاری توجہ سے میرا غم بہت حد تک کم ہو گیا۔"

"شکریہ کی ضرورت نہیں۔ وہ تو میرا فرض تھا۔ لیکن اب یہ بتاؤ کہ مریض حکیم صاحب کے مطب پر کب آرہا ہے؟"

"جب مرض زیادہ پریشان کرے گا۔" امر نے مسکرا کر کہا۔

"بہت اچھا۔ میں انتظار کروں گی۔"

دیپ نے جواب دیا اور بڑے پر جوش انداز میں امر سے ہاتھ ملایا۔ اس کا گرم گرم ملائم ہاتھ ہاتھ میں لے کر امر کے سارے جسم میں حرارت سی دوڑ گئی۔ بے خبری کے عالم میں وہ کافی دیر تک اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبائے رہا اور الوداع کہہ کر شہر کو روانہ ہو گیا۔

گیارہواں باب

دیپ کے بتائے ہوئے ہوٹل میں ہی امر نے قیام کیا۔ لیکن بستر پر لیٹنے کے بعد اس نے تمام حالات کا جائزہ لیا تو اُسے یہ بات بڑی عجیب سی لگی کہ دیپ اس میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ دیپ کی آنکھیں جو کچھ کہہ رہی تھیں وہ بخوبی سمجھ گیا تھا۔ دیپ کے دل کی دھڑکنوں میں جو جذبات ابھر رہے تھے ان سے وہ بھی بے خبر نہیں تھا۔ اس کے لئے دشواری یہ تھی کہ وہ ان جذبات اور خیالات کی ہمت افزائی نہیں کرسکتا تھا۔ چترا سے محبت کرنے کے بعد اور اس محبت میں ناکام ہوجانے کے بعد اب اس میں سکت بالکل نہیں رہی تھی کہ وہ کسی دوسری لڑکی سے محبت کر سکے۔ اس کی زندگی کی واحد آرزو، اس کی محبت کی پہلی اور آخری منزل صرف چترا تھی۔ جسے قسمت نے اس سے چھین لیا۔ اب اس کے سینہ میں دل تو موجود تھا لیکن وہ جذبات نہیں تھے۔ وہ جوش نہیں تھا۔ پھر وہ کسی طرح کسی دوسری لڑکی سے محبت کرسکتا تھا۔

پھر بھی اس نے سوچا کہ دیپ سے مل لینے اور اس سے اپنے دل کا سارا حال بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے یہی سوچ کر وہ دوسرے روز دیپ کے بتائے ہوئے پتہ پر پہونچا۔

بلڈنگ تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اس نے دیپ کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی۔

" اندر تشریف لے آیئے "؟

امر اندر داخل ہوا۔ دیپ سامنے ہی ایک صوفے پر دروازہ کی جانب پشت کئے کچھ بیٹھے میں معروف تھی۔ اس نے لوٹ کر دیکھے بغیر کہا۔

" مجھے اُمید تھی مسٹر امر کہ آپ ضرور آئیں گے "

امر حیران رہ گیا کہ آواز سنے بغیر اور لوٹ کر دیکھے بغیر دیپ نے کیسے سمجھ لیا کہ میں ہوں۔

" کیا آپ کچھ جادو وغیرہ بھی جانتی ہیں " امر نے اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

دیپ ہنس پڑی۔ اس کے موتیوں جیسے دانت چنبیلی کی کلیوں کی طرح سفید تھے۔ اور ہونٹوں کی پنکھڑیاں گلاب کی طرح سرخ تھیں۔ ایک لمحہ کے لئے امر اس کی جانب حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔ دیپ کا نقرئی قہقہہ چاندی کی سریلی گھنٹیوں کی طرح اُسے کمرے کی فضا میں گشت کرتا ہوا محسوس ہوا۔

دیپ نے کہا۔

" تم غالباً اس بات پر حیران ہو کہ میں نے تمہیں کیسے پہچان لیا "؟

"ہاں" امر نے جواب دیا۔ "کیا یہ حیرانی کی بات نہیں"؟
"شاید تمہارے لئے ہو۔ میرے لئے نہیں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ اس دنیا میں میرا کوئی دوست نہیں۔ کوئی مجھ سے ملنے نہیں آتا۔ اپنے اسٹاف کے ساتھیوں کو میں خود نہیں بلاتی۔ اور اگر بلاتی ہوں تو وقت کا مجھے علم ہوتا ہے۔ آپ سے کل ملاقات ہوئی تھی۔ آپ نے آنے کا وعدہ بھی فرمایا تھا۔ اس لئے جب کسی نہ معلوم شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میں فوراً سمجھ گئی کہ تم ہو پھر جب تم اندر داخل ہوئے تو دروازہ کے مقابل والی دیوار میں لگے ہوئے شیشے نے میرے خیال کی تصدیق کر دی"
"بہت خوب" امر نے کچھ کہنا چاہا لیکن دیپ نے اس کی بات کاٹ دی۔
"اسکے علاوہ ....."؟
پھر اچانک خود ہی رک گئی تو امر نے پوچھا۔
"اسکے علاوہ کیا"؟
"کیا تم دل کی کشش کے قائل ہو۔ یقین کرو میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ چنانچہ جب تم نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میرا دل اس زور سے دھڑکا کہ میں فوراً سمجھ گئی کہ تم آ گئے"
دیپ کی آنکھوں میں ایک عجیب سی مستی بھری ہوئی تھی اس وقت اس کی ساری روح سمٹ کر آنکھوں میں آ گئی تھی۔
امر نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ کہا۔
"دیپ تم ایک ایسی شئے کی جانب ہاتھ بڑھا رہی ہو جس میں زندگی کی حرارت ختم ہو چکی ہے"
"کوئی بات نہیں" دیپ نے اپنے کھلے ہوئے بالوں کو پشت پر ڈالتے

ہوئے کہا۔

,, میں اپنی زندگی کی نصف حرارت دیدوں گی "۔ لیکن نجیر پہلے تم یہ بتاؤ کہ کیا پیو گے ؟"

,, زہر ہے تمہارے یہاں "۔ امر نے سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

,, ہاں ہے "۔ دیپ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "لیکن تم پر دنیا کا کوئی زہر بھی اثر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ایک لڑکی کے فریب کا زہر تمہاری رگوں میں گھل چکا ہے "۔

,, تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں کسی لڑکی کے فریب کا شکار رہوں ہا "

دیپ نے ایک معصوم سا قہقہہ لگایا اور بولی۔

,, تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے "۔

,, ضرورت سے زیادہ ہوشیار معلوم ہوتی ہو "۔ امر نے مسکرا کر کہا۔

جی ہاں لیکن چونکہ ہر ضرورت سے زیادہ چیز اپنی خاصیت بدل دیتی ہے۔ اور بقول آپ کے میں بھی چونکہ ضرورت سے زیادہ ہوشیار رہوں۔ اس لئے یقیناً بے وقوف ہوں۔ اور اپنی بیوقوفیوں کا مجھے اعتراف ہے "

,, میرا یہ مطلب نہیں تھا "۔ امر نے جلدی سے کہا۔ لیکن دیپ نے فوراً اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

,, فکر مت کرو۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ چائے پیو گے یا کوئی ٹھنڈی چیز "۔

,, جو تم پلا دو "۔

" اچھا! دیپ نے سلائیاں میز پر ڈالدیں اور باورچی خانہ میں چلی گئی دس منٹ بعد ہی اس نے چائے کا پر تکلف سامان میز پر سجا دیا۔ اور دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر چائے پینے میں مشغول ہو گئے۔

دیپ نے چائے کی پیالی بنا کر امر کی جانب سرکاتے ہوئے کہا:

"اب بتاؤ"

"کیا؟" امر نے حیرت سے اسکی جانب دیکھا۔

"وہ پوری کہانی جو تم کل بتانے سے ہچکچا رہے تھے"

"ضرور سنو گی"؟

"ہاں۔ حکیم مریض کا تمام حال سنے بغیر دوا تجویز نہیں کر سکتا"

"بہت اچھا۔ جیسے تمہاری مرضی" امر نے کہا "بعد میں مجھے الزام نہ دینا کہ میں نے تمہیں بور کر دیا"

"میرے لئے تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں"۔ دیپ نے جواب دیا۔

امر نے مختصر طور پر شروع سے آخر تک اپنی زندگی کی مکمل داستان دیپ کو سنائی۔ دیپ بڑے انہماک کے ساتھ اس کی کہانی سنتی رہی۔ جب کہانی ختم ہوئی تو دونوں کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"بڑی درد انگیز کہانی ہے" داستان ختم ہونے کے بعد دیپ نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ مت سنو۔ ورنہ خواہ مخواہ رنج ہوگا"

"لیکن اب مجھے علم تو ہو گیا کہ تم کیوں مغموم تھے۔ چترا نے واقعی تمہارے خلوص اور محبت سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا۔ اگر میں اس کی جگہ ہوتی۔ اگر کوئی مجھ سے اس قدر پر خلوص محبت کرتا تو میں اس کے لئے اپنی زندگی تک قربان کر سکتی تھی"

"دیپ" امر نے کہا "تم سے محبت کی جاتی تو تم بھی ایسی ہی ہو جاتیں۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس چیز کے پیچھے بھاگو وہ ہمیشہ آگے آگے ہی رہتی ہے۔

کبھی ہاتھ نہیں آتی "

"تجربہ کرکے دیکھ لو" دیپ نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر کہا۔

"ایک تجربہ نے تو یہ عالم بنا دیا۔ دوسرا تجربہ خدا جانے کیا رنگ لائے گا"

"یہ تو وقت ہی بتا سکے گا۔ خیر تم یہ بتاؤ کہ ہوٹل میں کوئی تکلیف تو نہیں"

"نہیں۔ امر نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ یا یہ کہیئے کہ اب مجھے عارضی تکلیفوں اور راحتوں کا احساس ہی نہیں ہوتا"

"اس قدر مایوس ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ زندگی بڑی طویل ہے اور اس کی کیفیات بھی مختلف ہیں۔ زندگی سے لطف اٹھانے کی کوشش کرو تو ہر غم بھلایا جا سکتا ہے"

"کاش میں ایسا کر سکوں" امر نے جواب دیا۔

"سروس کے بارے میں کیا سوچا؟"

"آج ہی تو آیا ہوں۔ ذرا سانس لے لوں پھر سوچوں گا"

"جب تک سروس نہ ملے اخراجات کی کس طرح ہوگی"؟

"کیا ہو سکتا ہے"؟ میں بھوکا رہنے اور سڑک پہ سونے سے نہیں گھبراتا کیوں کہ برسوں اس زندگی کا عادی رہ چکا ہوں"

"اگر بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں"؟

"ضرور کہو" امر نے اُس کے چہرے پہ نظر جاتے ہوئے کہا"

"ایک دوست کی طرح صاف بتاتی ہوں کہ میرے پاس آٹھ سو روپے ہیں۔ جب تمہیں روپوں کی ضرورت ہو تو مجھ سے فوراً بطور قرض روپیہ لے لینا اور بعد میں جب سروس مل جائے تو قرض اتار دینا"

"شکریہ" اگر ضرورت ہوئی تو یقیناً مانگ لوں گا۔

"اگر تم نے روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کوئی تکلیف اٹھائی تو مجھے بہت دکھ ہوگا"

"فکر مت کرو۔ ایسا نہیں ہوگا"

کوئی ایک ڈیڑھ گھنٹہ امر دیپ کے ہاں بیٹھا رہا۔ پھر اس سے رخصت ہو کر واپس اپنے ہوٹل میں آگیا۔

امر سخت الجھن میں پھنس گیا تھا۔ دیپ بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی اُسے بھی ایک سہارے کی ضرورت تھی اس لئے وہ خواہش نہ ہونے کے باوجود اس کی جانب جھکتا جا رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ دیپ کے ساتھ ایسی پُر جوش اور پُر خلوص محبت نہیں کر سکتا جیسی وہ چترا سے کرتا تھا۔ اسی لئے وہ دیپا سے بچنا چاہتا تھا۔ چند روز میں ہی اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ دیپ کے دل میں اُس کے لئے ایسی عظیم اور پُر خلوص محبت موجزن ہے جس کی قدر نہ کرنا محبت کی توہین ہے۔

لیکن وہ پہلوتہی کرنے کے باوجود نفسیاتی طور پر دیپ کی جانب کھنچتا جا رہا تھا۔ دیپ کی گرمجوش محبت آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھا رہی تھی۔

کاروبار کے متعلق امر نے فی الحال اپنا ارادہ تبدیل کر دیا تھا وہ کچھ روز بمبئی میں رہ کر ملازمت کرنا چاہتا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ شہر اُسے راس بھی آسکے گا یا نہیں۔ روپیہ وہ بہت تھوڑا اپنے ساتھ لیکر چلا تھا اس لئے وہ ختم ہو گیا۔ اس نے فوراً دہلی کے بنک کو لکھا کہ بیس ۲۰ ہزار روپیہ اس کے نام بمبئی کی برانچ میں منتقل کر دیا جائے۔ لیکن چونکہ بنک کی دفتری

کارروائی میں دیر ہو گئی۔ اور اسکے پاس روپیہ ختم ہو گیا۔ اس لئے اس نے دیپ سے کچھ رقم اُدھار مانگی۔

دیپ نے فوراً پانچ سو روپیہ اس کے حوالہ کر دیئے۔ اور کہہ دیا کہ ضرورت ہو تو باقی تین سو روپے بھی لے لینا۔ اس کے بعد بھی اگر ضرورت ہو تو فکر نہ کرنا جب تک ملازمت نہیں ملتی میرے ساتھ رہنے لگنا۔

امر روز بروز اس کے خلوص اور مہربانیوں سے متاثر ہوتا جا رہا تھا زندگی میں پہلی بار اُسے ایک نئی لذت کا احساس ہو رہا تھا۔ اب تک اس نے صرف ایک لڑکی سے محبت کی تھی۔ لیکن اس کے جواب میں کچھ نہیں پایا تھا۔ اور اب وہ ایک حسین و جمیل لڑکی کا محبوب تھا۔ لیکن وہ خالی ہاتھ تھا۔ اس بے پناہ محبت کے جواب میں وہ دیپ کو کچھ بھی نہ دے سکتا تھا۔

پھر ایک روز عجیب واقعہ پیش آیا۔ رات کو وہ دیر سے سویا تھا اس لئے صبح کو دیر تک سوتا رہا۔ اور نہ جانے کب تک سوتا رہتا ایکایک اُسے اپنے ہونٹوں پر گدگدی محسوس ہوئی۔ وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ دیکھا تو دیپ اس کے سرہانے بیٹھی تھی۔

وہ سمجھ گیا کہ دیپ نے اُسے پیار کیا ہے۔ دیپ کے چہرے پر شرم کی سرخی کھیل رہی تھی اور آنکھوں میں جذبات کی آگ روشن تھی۔

"تم!" امر نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"ہاں" دیپ نے جواب دیا "دس بجے میرا جہاز بمبئی سے کلکتہ جا رہا ہے۔ تین دن کے بعد واپس آؤں گی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ تم سے ملتی چلوں"

"کیا بج گیا؟" اس نے تکیہ کے نیچے اپنی گھڑی تلاش کرتے ہوئے پوچھا۔
"ساڑھے آٹھ۔" دیپ نے اپنی رسٹ واچ دیکھ کر جواب دیا۔
"اچھا تو تم ذرا بیرے کو بلا کر اپنے اور میرے لئے ناشتہ منگا لو، میں اتنے میں ذرا غسل سے فارغ ہو لوں۔"
یہ کہہ کر امر غسلخانہ میں چلا گیا۔ اور دیپ نے بیرے کو بلا کر چائے لانے کا آرڈر دے دیا۔ ساڑھے نو بجے تک وہ دونوں ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو گئے تو دیپ نے کہا۔
"اچھا میں چلتی ہوں۔"
"اچھا۔" امر نے اٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ "زندگی بخیر رہی تو تین روز بعد پھر ملیں گے۔"
دیپ مسرت بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھتی رہی جیسے وہ مصافحہ کے علاوہ کچھ اور بھی اس سے طلب کرنا چاہتی ہو۔
پھر یکایک نہ جانے اُسے کیا ہوا کہ اُس نے دونوں ہاتھوں سے امر کا چہرہ تھام لیا۔ اور اس کے ہونٹوں کو چوم کر کچھ کہے بغیر باہر بھاگ گئی اور امر حیرت سے بت بنا رہ گیا۔

بارھواں باب

تین روز کے بعد دیپ اپنی ڈیوٹی سے واپس آگئی لیکن امر اس سے ملنے نہ گیا۔ کیوں کہ اب وہ دیپ سے بچنا چاہتا تھا۔ دیپ ضرورت سے زیادہ آگے بڑھ چکی تھی۔ اُسے خوف تھا کہ کہیں چترا کی محبت دیپ کی گرم جوش محبت میں دب کر نہ رہ جائے۔ وہ چترا کی یاد کو زندگی بھر اپنے سینے سے لگائے رکھنا چاہتا تھا۔ اس محبت کو اس نے اپنی آرزوؤں اور حسرتوں کا خون دے دے کر جوان کیا تھا۔ جدائی کی لطیف آنچ سے وہ مانوس ہو چکا تھا۔ اور اب اس ہلکی آنچ کو دیپ کی دہکتی ہوئی محبت کی نذر کرنا نہ چاہتا تھا۔

یہی تمام باتیں سوچ کر اس نے خاموشی کے ساتھ ہوٹل بدل لیا۔ تاکہ آئندہ ملاقات کا کوئی امکان نہ رہے۔ اُسے یقین تھا کہ وہ دیپ سے ملنے نہ جائے گا تو دیپ اس سے ملنے ضرور آئے گی اور ہوٹل میں اُسے نہ پا کر اسکی جانب سے مایوس ہو جائے گی۔

لیکن ہوٹل تبدیل کرنے کے بعد اس کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ وہ دیپ سے قرض لئے ہوئے پانچ سو روپے اُسے کیسے واپس کرے دہلی بنک سے مطلوبہ رقم بمبئی بنک میں منتقل ہو چکی تھی اور اب اُسے روپیہ کی کوئی کمی نہ تھی۔

کافی دیر غور و خوض کرنے کے بعد اس نے اب یہ فیصلہ کیا کہ وہ پانچ سو روپے بذریعہ منی آرڈر دیپ کو بھیج دے گا۔ اور بھیجنے والے کے پتہ کی جگہ اپنا صحیح نام لکھ کر پتہ غلط لکھ دے گا۔ واپسی کی رسید اُسے نہیں ملے گی۔ نہ سہی۔ دیپ کے روپلے تو اُس تک پہونچ جائیں گے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے بعد فوراً اس نے دیپ کو منی آرڈر کر دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اُسے روپلے اس طرح منی آرڈر سے بھیجتے ہوئے سخت افسوس ہوا۔ اس کا فرض تھا کہ وہ خود اُسے جاکر روپیہ دیتا اس کا شکریہ ادا کرتا۔ دیپ نے مشکل کے وقت اس کی مدد کی تھی۔ اس پر احسان کیا تھا جس کا بدلا وہ اس طرح دے رہا تھا۔ لیکن وہ اس احسان فراموشی پر مجبور تھا۔ وہ اپنی کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جان چکا تھا کہ دیپ اگر اسی طرح متواتر اس سے ملتی رہی تو یقیناً ایک روز اسکے ذہن پر چھا جائے گی۔ اس کے خیالات پر قابض ہو جائے گی۔ پھر جینا کی محبت ایک یاد رفتہ بن کر رہ جائے گی۔

منی آرڈر کی رسید پر اس نے اس ڈاکخانہ کے پوسٹ ماسٹر کی معرفت اپنا پتہ لکھ دیا تھا۔ جس ڈاکخانہ سے اس نے منی آرڈر کرایا تھا۔ اور وہ روزانہ جاکر پوسٹ ماسٹر کی معرفت آنے والے خطوط میں اپنی رسید

تلاش کر لینا تھا۔

چوتھے روز اُسے رسید مل گئی۔ رسید کی پشت پر پانچ سو روپے کی وصول یابی کے بارے میں لکھا تھا اور نیچے دیپ کے دستخط تھے۔ امر رسید کو سرسری نظر سے دیکھ کر جیب میں رکھنا ہی چاہتا تھا کہ یکایک اس کی نظر رسید کے ایک کونے پہ لکھے چند باریک باریک الفاظ پر پڑی۔ اس نے غور سے پڑھا تو یہ فقرہ لکھا تھا۔

"تم کہیں بھی جا کر چھپو۔ میں تمہیں ضرور تلاش کر لوں گی۔"

تحریر دیپ کی تھی۔ امر بہت دیر تک خاموش کھڑا ہوا اس چھوٹے سے فقرے کو گھورتا رہا جس میں ہزاروں معنی پنہاں تھے جس میں دیپ کی محبت کی پوری آگ روشن تھی۔ جس میں دیپ کے عزم و استقلال کی جوت جگمگا رہی تھی۔

رسید تہہ کر کے اس نے جیب میں ڈال لی اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا ہوٹل کی جانب چل پڑا۔

دیپ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اس چھوٹے سے فقرے نے ایک بار پھر اس کے دماغ میں ہل چل سی مچا دی۔ اس کے قدم لڑکھڑانے لگے اس کے دل میں آیا کہ وہ اسی وقت دیپ کے ہاں جائے اور اپنی اس بے توجہی کی اس سے معافی مانگے لیکن پھر یکایک پیترا کا دلفریب چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے بجلی کی طرح کوند گیا۔ لہٰذا اُسے جیسے ہوش سا آگیا۔

کمرہ میں جا کر وہ بے جان سا ہو کر کرسی پر گر پڑا۔ اس کا موجودہ کمرہ پرانے زمانے کی یاد دلاتا تھا۔ یعنی ہر چیز بے ترتیب پڑی ہوئی تھی۔

چند کتابیں فرش پر بکھری پڑی تھیں۔ تکیہ صوفے پر پڑا تھا۔ بستر اس طرح بچھا ہوا تھا جیسے بچے اس پر کھیلتے رہے ہوں۔ پہننے کے کپڑے کچھ پلنگ کے نیچے پڑے تھے اور کچھ کھونٹیوں پر۔ صندوق منہ کھولے خالی پیٹ پڑے تھے۔

لیکن وہ اس بے ترتیبی سے لاپرواہ اپنے ذہن کو ترتیب دینے میں مشغول تھا۔ اس کے سامنے ایک گہری دھند تھی جس میں اس کی زندگی کا مقصد کھو گیا تھا۔ اس کی منزل کون سی تھی یہ اُسے باوجود کوشش کے نظر نہ آرہا تھا۔ وہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن اس اندھیرے سے نجات کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ گھور تاریکی میں دور کہیں دو چراغ جل رہے تھے۔ ایک چراغ بہت مدھم تھا لیکن اس کی جوت اسکو اپنی رگوں میں کیف و سرور سا گھولتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اور دوسرا چراغ اس کے بالکل قریب تھا جس کی حدّت اسکو زندگی کی حرارت پہونچا رہی تھی اس کی سمجھ میں ہی نہ آرہا تھا کہ وہ کس چراغ کی جانب قدم بڑھائے کونسی روشنی کو اپنی زندگی کی منزل سمجھے۔ ایک طرف دیپ تھی اور ایک طرف چترا۔ ایک طرف زندگی کی ہنگامہ خیز بہار تھی اور دوسری جانب موت کی طرح سرد لیکن بڑی سلجھی خاموشی۔

دوسرے روز جب وہ بازار سے گھوم پھر کے ہوٹل میں داخل ہوا تو اس نے اپنے کمرہ کا دروازہ خلاف معمول کھلا ہوا پایا۔ حیرت سے اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کمرہ کے اندر قدم رکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا لیکن کمرے کی موجودہ حالت بتا رہی تھی کہ کوئی نہ کوئی کمرہ میں ضرور

داخل ہوا ہے۔ ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ بستر پر ایک بھی شکن موجود نہیں تھی۔ کتابیں سلیقے سے چنی رکھی تھیں۔ کپڑے تہہ ہو کر بکسوں میں رکھے جا چکے تھے۔ میلے کپڑے غائب تھے۔ البتہ ان کی جگہ میز پر ایک لانڈری کی رسید رکھی تھی۔

وہ حیران و پریشان کمرے کے درمیان کھڑا ہوا سوچنے لگا۔ آخر یہاں کون آیا ہے۔؟ کمرے کی صفائی اور ترتیب بتا رہی تھی کہ کسی عورت کا ہاتھ لگا ہے۔ لیکن وہ عورت کون تھی۔ کیا چترا۔؟ یا دیپ؟

اس نے ایک طائرانہ نظر چاروں طرف ڈالی۔ کھڑکیوں پہ پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس کا کمرہ برابر والے کمرہ سے ملحق تھا۔ درمیان میں ایک دروازہ تھا۔ لیکن دروازہ کو چھپانے کے لئے ہوٹل کی جانب سے ہی اس کے سامنے ایک بھاری پردہ پڑا ہوا تھا۔

امر نے گھنٹی بجا کر بیرے کو بلایا۔ بیرا آگیا تو اس نے پوچھا۔

"میرے پیچھے کمرہ میں کون آیا تھا"

"ایک بی بی جی آئی تھیں" بیرے نے جواب دیا۔

"کون تھیں وہ۔؟" امر نے پریشانی کے لہجہ میں پوچھا۔

"یہ تو مجھے پتہ نہیں"۔ بیرے نے معصومیت سے جواب دیا۔ "ابھی کوئی گھنٹہ بھر پہلے ایک بی بی جی آئی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے انہیں دہلی سے بلایا ہے اس لئے میں نے آپ کا کمرہ کھول دیا"۔

"پھر وہ کہاں گئیں۔؟"

"یہ بھی مجھے پتہ نہیں۔ ہوٹل سے باہر تو وہ گئی نہیں"۔

"عجیب بات ہے" امر نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔ "اچھا اب تم جاؤ

اور میرے لئے کافی کا ایک گرم کپ لے آؤ۔
بیرا چلا گیا۔ امر صوفے پر بیٹھ گیا تو ایک نسوانی آواز نے اُسے چونکا دیا۔
"میرے لئے بھی کافی منگوا یئے"
امر نے چونک کر جدھر سے آواز آئی تھی اس جانب دیکھا۔ دوسرے کمرے میں کھلنے والے دروازہ کے سامنے پڑے ہوئے بھاری پردے میں جنبش ہوئی اور دیپ مسکراتی ہوئی باہر نکلی۔
"کیا آپ مہمانوں کو ایک کپ کافی بھی نہیں پلاتے مسٹر امر؟" اس نے پردے سے باہر آتے ہوئے کہا اور پھر بے تکلفی سے امر کے قریب صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔
"تم ہو؟" امر نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔
"جی ہاں میں۔ میں نے رسید پر لکھا تھا نا کہ تم جہاں بھی چھپو گے میں تمہیں ضرور تلاش کر لوں گی۔ دیکھ لو میں نے تمہیں تلاش کر لیا"
امر حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔
"آخر تمہیں کیسے پتہ لگا کہ میں یہاں مقیم ہوں؟"
"بڑی آسانی سے" دیپ نے جواب دیا "منی آرڈر وصول کرنے کے بعد مجھے پتہ چل گیا کہ تم نے کس ڈاکخانے کے پوسٹ ماسٹر کی معرفت رسید منگوائی ہے مجھے یقین ہو گیا کہ تم رسید لینے ڈاکخانہ ضرور آؤ گے چنانچہ دوسرے روز میں دس بجے ڈاکخانہ پہنچ گئی اور دور رہ کر دیکھتی رہی کہ تم آتے ہو یا نہیں۔ اس روز شام کے پانچ بجے تک میں ڈاکخانہ کے چکر کاٹتی رہی لیکن تم نہ آئے پھر بھی میں مایوس نہیں ہوئی اور

دوسرے روز پھر دس بجے ڈاکخانہ پر پہونچ گئی۔ یعنی یہ کل کی بات ہے۔ میرا اندازہ بالکل درست نکلا۔ تم رسید لینے آئے اور رسید لے کر اپنے ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ مَیں ایک جاسوس کی طرح تمہارا تعاقب کرتی رہی اور ہوٹل کا پتہ لگا کر واپس چلی گئی۔ اور اب تمہارے سامنے موجود ہوں۔"

امر چند لمحوں تک اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا۔ پھر بولا

"لیکن زیب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے میری خاطر اس قدر تکلیفیں کیوں اٹھائیں۔ جبکہ مَیں تمہیں اچھی طرح سب کچھ بتا چکا ہوں۔ تمہیں سمجھا چکا ہوں کہ تمہیں میری جانب سے کچھ نہ ملے گا۔ تم ایک بے جان زندگی کے پیچھے دوڑ رہی ہو۔ مَیں ایک پتھر کا مجسمہ ہوں جس میں زندگی کی ذرہ بھر بھی رمق نہیں ہے"

"ہاں تم پتھر کا بے جان مجسمہ ہو" زیب نے صوفے کے تکیہ پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں اور مسکراتے ہوئے لہجہ میں بولی "تم ایک پتھر کا پھول ہو۔ جس میں لچک بالکل نہیں ہے۔ جس میں کوئی خوشبو نہیں۔ لیکن اس کے باوجود مَیں تم سے مایوس نہیں ہوں۔ میری شدید محبت کی حرارت اس پتھر کے نچلے میں ایک روز ضرور نرمی پیدا کر دے گی۔ یہ پتھر کا پھول ایک روز ضرور تر و تازہ گلاب کی طرح مہکے گا۔

پھر اس نے یکایک آنکھیں کھول کر امر کے دونوں ہاتھ خوشبوؤں کی طرح پکڑ لیئے اور اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"امر مَیں تم سے محبت کرتی ہوں۔ ایسی محبت جیسی شاید روئے زمین پر کسی عورت نے کسی مرد سے نہ کی ہو۔ تم تے میرے سینے میں

ایک ایسی جوالا بھڑکا دی ہے جو تمہاری ہستی کو موم کی مانند پگھلا کر رکھ دے گی۔ میں جانتی ہوں کہ تم جیترا سے محبت کرتے ہو۔ میں جانتی ہوں کہ تمہارے دل میں کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن میں اپنے مستقبل سے مایوس نہیں ہوں۔ مجھے اپنی محبت پہ بھروسہ ہے۔ میں تم سے صرف اتنا چاہتی ہوں کہ تم مجھے محبت کرنے کی اجازت دیدو۔ مجھ سے بچ سکنے کی کوشش نہ کرو۔"

یہ کہہ کر اس نے بے تابانہ اپنے ہونٹ امر کی جانب بڑھا دیئے اور امر نے کسی مسحور انسان کی طرح لاشعوری طور پہ اس کے ہونٹوں پہ اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ دیپ نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور اپنے بازو امر کی گردن میں حمائل کر کے اسے زور سے جکڑ لیا۔

چند منٹ کے بعد جب جوش کسی قدر کم ہوا تو امر نے کہا۔

"دیپ تم ایک ایسی راہ پہ جا رہی ہو جس میں منزل ہمیشہ سراب کی مانند مسافر سے سو گز دور رہتی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" دیپ نے شاعرانہ انداز میں جواب دیا۔ "زندگی میں کچھ نہ ہونے سے سراب ہزار درجہ بہتر ہے۔"

یہ کہہ کر پھر امر کی آغوش میں سمٹ گئی۔ اور امر عارضی طور پہ جیترا کو بالکل بھول گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد امر نے اس سے پوچھا۔

"تم نے بیرے سے یہ کیوں کہا تھا کہ میں نے تمہیں دہلی سے بلایا ہے؟"

"اس لئے تا کہ بیرا مجھے تمہارا مہمان سمجھ کر کمرہ کھول دے۔"

"کلکتہ سے تم کب واپس آ گئی تھیں؟"

"تین روز بعد"

"واپس آکر تم نے میرا انتظار کیا ہوگا؟"

"ہاں" دیپ نے جواب دیا "ایک روز انتظار کیا دوسرے روز ہوٹل گئی تو پتہ چلا کے پنچھی اڑ گیا"

"تمہیں افسوس ہوا ہوگا کہ میں تمہارے روپے لیکر بھاگ گیا"

"نہیں" دیپ نے کہا "مجھے کوئی افسوس نہیں ہوا۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میں تمہیں ضرور تلاش کر لوں گی۔ لیکن تمہیں روپے کہاں سے مل گئے جو تم نے ایک دم میرے سب روپے واپس کر دیئے"

"اب میں تم سے کیا چھپاؤں" امر نے صوفے پر پہلو بدلتے ہوئے کہا "بات دراصل یہ ہے دیپ کہ میرے پاس روپے کی کمی نہیں۔ ڈھائی لاکھ روپیہ نقد میرا بنک میں جمع ہے اور میں یہاں کے حالات دیکھ کر کوئی اچھا سا کاروبار کرنا چاہتا ہوں۔ دہلی سے یہاں کے بنک میں کچھ روپیہ منتقل کرنے میں دیر ہو گئی تھی اس لئے میں نے تم سے روپیہ ادھار لے لیا تھا۔ اب میرا روپیہ یہاں آگیا ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ہر قسم کی مشکلیں اٹھائیں لیکن کبھی ہمت نہیں ہاری۔ آخر کار جدوجہد کامیاب رہی۔ لیکن محبت میں ہمیشہ ناکام رہا۔ مجھے روپیہ کی ضرورت نہیں تھی پیار کی ضرورت تھی ـــ روپیہ مل گیا۔ اور پیار نہ مل سکا"

"اس کے باوجود تم میرے پیار کو ٹھکرا رہے ہو"

"میں تمہاری محبت کی قدر کرتا ہوں دیپ" امر نے اسے آغوش میں کھینچتے ہوئے کہا "اسی لئے میں نے صفائی کے ساتھ اپنی تمام باتیں تمہیں بتا دی ہیں۔ ان حالات میں تم میری مجبوریوں کا بخوبی احساس

کر سکتی ہو۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تم دولت مند ہو۔" زیب نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں؟"

"شاید تم یہ خیال کرو کہ میں تمہاری دولت کی وجہ سے تمہیں چاہتی ہوں۔"

"نہیں" وہ "میں کوئی احمق نہیں ہوں۔ میں تمہارے مخلصانہ جذبات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ میری دولت کے بارے میں تو تمہیں ابھی پتہ چلا ہے۔ اس سے پہلے جو تم نے میرے لئے دشواریاں اٹھائی ہیں۔ ان میں کیا لالچ تھا۔ نہیں زیب میں اس قدر احسان فراموش نہیں ہوں۔ میں تمہاری صدق دل سے قدر کرتا ہوں کاش میں تمہیں اپنی پوری محبت دے سکتا۔"

"اوہ" زیب نے پیار بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا "میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تم میری محبت کی قدر کرتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ قدر کرنے کا یہ جذبہ ہی ایک روز محبت میں تبدیل ہو جائے گا۔ میں ایک روز جذبہ بن کر تمہاری روح میں سما جاؤں گی۔ مجھے اپنی محبت پر پورا پورا بھروسہ ہے۔"

"لیکن آخر اس محبت کا انجام کیا ہوگا؟" مجھے ڈر ہے کہ میں نے اگر تم سے کوئی [illegible] کی تو تم کبھی میرے ہاتھ سے جاتی رہو گی۔ میں بہت بد قسمت ہوں۔"

"انجام کا فکر مت کرو۔ انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے۔ اگر تم اپنی قسمت بنانے کے لئے جدوجہد نہ کرتے تو آج کسی ہوٹل میں بیرے ہوتے یا زیادہ سے

زیادہ کسی دفتر میں کلرک۔ اگر میں اپنی زندگی بہتر بنانے کے لئے کوشش نہ کرتی تو نہ جانے میرا کیا حشر ہوتا۔ ہم دونوں نے کوششیں کیں۔ اور بھگوان کا شکر ہے کہ کچھ نہ کچھ کامیاب ضرور رہے۔ اب مجھے اپنی زندگی کے لئے کسی کا دست نگر رہنا نہیں پڑتا۔ تمہارے پاس ابھی پیسہ ہے کچھ دن میں تم محنت کرکے اچھا سا کاروبار چلا سکوگے۔ اقتصادی طور پر ہماری زندگیاں کامیاب نہیں تو ناکام بھی نہیں۔ گویا ایک طرح سے جد و جہد کرکے ہم نے اپنے مستقبل خود بنائے ہیں۔ رہا محبت کا معاملہ تو بات بالکل صاف ہے۔ ہم دونوں ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ تم مجھ سے اتنی محبت کرتے ہو۔ لیکن میں اب تمہارے لئے پتھر کے ایک پھول سے زیادہ کچھ نہیں جس میں محبت کی نرمی اور وفا کی خوشبو بالکل نہیں۔ اور تم میرے لئے ایک پتھر کے پھول ہی کے مانند ہو۔ تم میں بھی لچک نہیں ہے۔ خوشبو نہیں ہے۔ اور تم پر ہی کیا منحصر ہے۔ اگر غور بین نظروں سے دیکھا جائے تو دنیا کے اس گلستاں میں ہر شخص کسی نہ کسی کے لئے ایک پتھر کے پھول کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"کیا تمہیں کسی زمانے میں ادب سے لگاؤ رہا ہے؟" امر نے مسکرا کر ایک بے تعلق سا سوال پوچھا۔

"ہاں" وینا نے حیرت سے کہا۔ "لیکن کیوں؟"

"تمہارے شاعرانہ جملوں اور جذباتی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔"

"ہاں مجھے ادب سے بھی لگاؤ ہے۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ کبھی کبھی مجھ پر افسانے لکھنے کا بھوت سوار ہو جاتا ہے۔ میں نے بہت سے افسانے لکھے ہیں۔"

"اچھا" امر نے تعریفی لہجہ میں کہا۔ "تو آپ ادیبہ بھی ہیں پھر تو وہ

افسانے چھپے بھی ہیں؟"

"ہاں" دیپ نے کہا "شروع میں ایک دو افسانے میں نے رسالوں کو بھیجے تھے جو شائع ہو گئے۔ بعد میں میں نے خود ہی بھیجنے بند کر دیئے"

"کیوں؟"

"کیا فائدہ تھا۔ افسانے میں اپنے ذوق کی تسکین کی خاطر لکھتی تھی۔ کسی شہرت کی غرض سے نہیں"

"لیکن اگر تمہارے افسانے ادب میں کچھ اضافہ کر سکتے ہیں۔ تو تمہیں وہ ضرور شائع کرانے چاہئیں۔ ادب سے لگاؤ ہے تو اس کی اشاعت سے دریغ کیوں"

"بات دراصل یہ ہے کہ اب تک میری زندگی میں کوئی اُمنگ نہیں تھی۔ فن کو نکھارنے والی تپش سے میں ابھی تک محروم تھی۔ لیکن اب جب کہ تم میری زندگی میں داخل ہو چکے ہو۔ تم نے میری روح میں ایک نئی حرارت پھونک دی ہے۔ میں افسانوں کی جانب پھر توجہ دوں گی۔ اور قابلِ اشاعت ہوئے تو شائع بھی ضرور کراؤں گی"

"اب کے آؤ تو اپنے افسانے ساتھ لانا۔ میں بھی ذرا پڑھ کر دیکھوں گا"

"ضرور لاؤں گی" دیپ نے کہا۔ پھر ہنستے ہوئے بولی "لیکن اس بار کہیں یہ نہ ہو کہ میں یہاں آکر دیکھوں تو پتہ چلے کہ پنچھی پھر اُڑ گیا"

"نہیں۔ اب ایسا نہیں ہوگا" امر نے جواب دیا۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں" دیپ نے اٹھتے ہوئے کہا "کل اسی وقت آؤں گی"

"میں انتظار کروں گا" امر نے بھی اُٹھتے ہوئے کہا۔

دروازہ پر پہنچ کر زیب نے بھرامر کی جانب طلب آمیز نظروں سے دیکھا امر نے پھر لاشعوری طور پر اُسے اپنی آغوش میں کھینچ کر اس کے عنابی ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

پندرھواں باب

دیپ کی پرخلوص محبت نے کسی قدر امر کے دل کا زخم مندمل کر دیا
وہ وحشت اور مایوسی جو چترا کی جدائی نے اُسے بخشی تھی دیپ کی وجہ سے
بہت حد تک دور ہو گئی۔ صرف ایک ہلکی سی خلش اس کے دل میں رہ گئی
جیسے کانٹا چبھ کر ٹوٹ گیا ہو اور وہ ہلکی ہلکی تکلیف دے رہا ہو۔

دو تین ماہ اور اسی طرح گذر گئے۔ دیپ اپنی ڈیوٹی کے علاوہ
باقی تمام وقت امر کے ساتھ گذارتی تھی۔ ہر طرح اُسکے آرام کا خیال
رکھتی تھی۔ امر دن بھر کاروباری حلقوں میں کچھ تجربہ حاصل کرنے کے
لئے گھومتا رہتا تھا تاکہ اچھی طرح جانچ تول کر کوئی کاروبار شروع
کرے۔ اور دیپ اس کی غیر موجودگی میں اس کے کمرہ پہ رہتی۔ کمرے کی
صفائی کرتی۔ امر کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھتی۔

ایک روز امر کہیں گیا ہوا تھا۔ دیپ اس کے کمرہ میں صوفے پر پڑی
ہوئی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی کہ پوسٹ مین ایک لفافہ لے کر آیا۔ دیپ نے

لفافہ لیکر دیکھا تو اس پر امر کا نام لکھا تھا۔ اس نے لاپرواہی سے لفافہ
میز پر ڈال دیا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اٹھا لیا اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا تو
پشت کی جانب ایک کونے پر "چترا" لکھا تھا۔ چترا کا نام پڑھ کر دیپ کے
دل کو ایک دھکا سا لگا۔ وہ سوچنے لگی کہ چترا نے امر کو کیا لکھا ہوگا۔
کہیں وہ دوبارہ تو اس پر ڈورے ڈالنا نہیں چاہتی۔ کہیں وہ امر کو اس
سے چھیننا تو نہیں چاہتی۔ بڑی ریاضت اور بڑی دشواریوں کے بعد تو
اُس نے اِس پتھر دل کو موم کیا ہے۔

دیپ کے دل میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ لفافہ
کھول کر پڑھ لے۔ لیکن یہ شرافت سے بعید بات تھی۔ دوسرے اگر امر کو محسوس
ہو گیا کہ اس نے چترا کا لفافہ کھولا ہے تو وہ غصہ ور ناراض ہو جائے
گا۔ یہی تمام باتیں سوچ کر وہ خاموش ہو گئی اور لفافہ دوبارہ
میز پر ڈال دیا۔

لیکن اس کے بعد کتاب میں اس کا دل نہ لگ سکا وہ بار بار بے چینی
سے لفافہ کی جانب دیکھتی اور پھر کتاب پر نظر جما دیتی۔ تھوڑی دیر پڑھنے
کی کوشش کرتی اور پھر کتاب سے اکتا کر پھینک دیتی لائنیں ٹیڑھی میڑھی ہو کر
ناچنے لگتیں اور ایک دھندلا دھندلا سا نامعلوم چہرہ اس کے ذہن میں ابھرنے
لگتا۔

دیپ

کوئی ایک گھنٹہ بعد امر آگیا۔ دیپ کو صوفے پر لیٹے دیکھ کر اس نے
کمرہ میں گھستے ہی مسکرا کر کہا۔

"اوہو سرکار تشریف فرما ہیں؟"

"جی مہمان موجود اور میزبان غیر حاضر" دیپ نے بھی ہنسکر جواب دیا۔

"تو کیا تم اب بھی اپنے آپ کو مہمان ہی سمجھتی ہو۔ میرے پورے کمرہ پر اور خود مجھ پر تو قبضہ کر لیا۔ یہ اچھی مہمانی ہے۔"

دیپ نے ترچھی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم پر جس روز قبضہ ہو جائے گا اس روز میری برابر دُنیا میں کوئی بھی خوش نصیب نہ ہو گا۔"

"کیا تمہیں ابھی تک شک ہے۔" امر نے کوٹ اتار کر ٹانگتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔" دیپ نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے ابھی تک شک ہے۔"

امر گھوم کر صوفے کی طرف آیا تو یکایک اس کی نظر میز پر پڑے ہوئے لفافہ پر پڑ گئی۔ اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر لفافہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"کیا میرا خط آیا ہے؟"

"ہاں۔"

امر نے پتہ پر نظر ڈالے بغیر لفافہ چاک کر ڈالا اور خط نکالکر پڑھنے لگا۔ دیپ نے اپنی پرشوق نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔

خط پڑھتے پڑھتے جیسے جیسے امر کے چہرے کے رنگ بدلتے گئے دیپ کے دل میں عجیب عجیب خیالات آتے رہے اُسے ایک سہم سا اپنے اوپر طاری ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ سینکڑوں سوالات اس کے ذہن میں چکرانے لگے۔

آخر خط میں کیا لکھا ہے؟ اتنے دن کے بعد چترا نے کیوں اُسے خط بھیجا ہے؟ کیا امر پھر چترا کی جانب ڈھل جائے گا۔ اس چترا کی طرف جو بے وفا ہے۔ جس نے ہمیشہ اُسے فریب دیا ہے۔

اس نے سوچا امر کی ذات سے کچھ بعید نہیں۔ اگر اپنی موجودہ حالت میں بھی چترا نے اس کی جانب ذرا بھی توجہ دی تو امر یقیناً اُسے چھوڑ کر چترا کو اپنا لے گا۔ وہ اس سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔

خط بہت طویل تھا۔ یا خدا جانے دیپ کو وہ لمحے ۔۔۔ وہ صبر آزما لمحے ٹھہرے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ بہر حال کوئی آدھے گھنٹے میں امر خط پڑھ کر فارغ ہوا دیپ کا خیال تھا کہ اس نے وہ خط دو تین بار پڑھا ہوگا۔

خط ختم کرنے کے بعد امر کے چہرے کی تمام تازگی دور ہو گئی۔ اور وہ نہایت سنجیدہ صورت بنا کر دیپ کے برابر صوفے پہ بیٹھ گیا۔

چند لمحوں تک دونوں خاموش رہے۔ کچھ دیر کے بعد دیپ نے ہی گفتگو چھیڑنے کی غرض سے کہا۔

"کس کا خط ہے؟"

امر اپنے خیالات میں گم تھا۔ اس نے دیپ کی آواز سنی تک نہیں۔ دیپ نے دوبارہ سوال کیا۔

"کس کا خط ہے؟"

"آں" امر جیسے خواب سے چونک پڑا۔ کیا مجھ سے کچھ کہا؟"

"ہاں" دیپ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ یکایک تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا خط میں کوئی خاص بات لکھی ہے؟"

"نہیں تو"

"کس نے بھیجا ہے؟"

"چترا نے" امر نے دبے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا لکھا ہے"؟
امر اس سوال پر پھر خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے ایک لمحہ جواب کا انتظار کر کے پھر پوچھا۔
"کیا لکھا ہے"؟
امر ایک لمحہ تک دیپ کو گھورتا رہا۔ پھر خط اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔
"تم خود پڑھ لو۔"
نہیں میں تمہارا خط نہیں پڑھنا چاہتی بلکہ یونہی میں نے پوچھ لیا ہے۔ اگر کوئی حرج نہ ہو تو زبانی ہی بتا دو"
"شاید میں پوری بات نہ بتا سکوں۔ امر نے کہا" اس لئے تم خود ہی پڑھ لو"
دیپ نے خط لے لیا۔ اس میں لکھا تھا۔

امر ......
تین ماہ کی مسلسل کشمکش کے بعد آخر آج میں مجبور ہو گئی ہوں کہ تمہیں خط لکھوں۔
تمہارا پتہ میں نے کس طرح حاصل کیا یہ الگ ایک واقعہ ہے مجھے بالکل پتہ نہیں تھا کہ تم بمبئی ہو۔ نہ ہی کوششوں کے باوجود مجھے پتہ چل سکا کہ تم اچانک کہاں چلے گئے ہو۔ یکایک ایک روز مجھے خیال آیا کہ جس بنک میں تمہارا اکاونٹ ہے ان کو تمہارا پتہ ضرور معلوم ہوگا۔ چنانچہ میں نے بنک میں جا کر کوشش کی اور تمہارا موجودہ پتہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔
اب تم پوچھو گے کہ میں نے تمہیں یہ خط کیوں لکھا ہے۔؟

آج میں تمہارے سامنے سچائی پوری طرح رکھ دینا چاہتی ہوں۔ ایک ایک بات واضح طور پہ بتا دینا چاہتی ہوں۔ کیونکہ جب سے تم مجھ سے خفا ہو کر گئے ہو میرے سینہ پہ ایک بوجھ سا رکھا ہے۔

آج میں صفائی دل کے ساتھ اعتراف کرتی ہوں کہ واقعی میں نے تمہیں فریب دیا۔ تمہیں دھوکہ میں رکھا لیکن اس امر کے معنی یہ نہیں کہ میرے دل میں تمہارے لئے کوئی گنجائش نہیں تھی۔ سچ مانو میرے دل میں تمہارے لئے ہمیشہ سے جذبۂ ہمدردی رہا ہے۔ جس کے بارے میں میں ہمیشہ سے کہتی آئی ہوں۔ افسوس صرف یہ ہے کہ میں اس جذبۂ ہمدردی کو شدید محبت میں نہ بدل سکی۔ اور اب میں محسوس کرتی ہوں کہ یہ میری سخت بدقسمتی تھی۔ تم نے میری وجہ سے جو کچھ صدمے اٹھائے ہیں وہ کچھ کم نہیں ہیں۔ لیکن تم مرد ہو۔ تم ان مصیبتوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کر سکتے ہو۔ ان پر فتح پا سکتے ہو۔ میری بدقسمتی ہے کہ میں ایک عورت ہوں۔ میں اس موتی کی مانند ہوں جس کی آب ایک بار اتر جائے تو پھر کبھی نہیں چڑھتی۔ میں نے تمہیں ٹھکرا کر اپنی سب سے بڑی تباہی کو دعوت دی ہے۔ میں نے اجیت کی محبت کو بھیک کہہ کر اپنے لئے موت کا غار کھود لیا ہے۔

آج میرے چاروں طرف اندھیرا ہے۔ چاروں طرف ایک گھور تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ جس میں کہیں روشنی کی کرن نہیں

تم مجھ سے خفا ہو کر دور جا چکے ہو۔ اجیت میرے پیٹ
میں اپنے گناہ کی نشانی چھوڑ کر مجھ سے پہلو تہی کر چکا ہے۔
سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ان حالات میں کیا کروں۔ اب تو صرف
ایک ہی راستہ ہے کہ زہر کھا کر خودکشی کر لوں۔ ہاں خودکشی
تم خود ہی سوچو اس کے علاوہ میرے لئے کونسی راہ باقی رہ
گئی ہے۔

جب میں اس بن باپ کے بچے کو جنم دوں گی تو دنیا کیا کہے گی
والدین کیا کہیں گے۔ میں ایک نامور باپ کی بیٹی ہوں۔ شاید
کسی غریب مفلس کی بیٹی ہوتی تو لوگ توجہ نہ دیتے۔ لیکن چونکہ
جج صاحب کی لڑکی ہوں اس لئے جب لوگ یہ سنیں گے کہ
میں نے ——— ایک کنواری ماں نے بچہ کو جنم دیا ہے تو
لوگ مجھ پر نہیں میرے پتا جی پر ہنسیں گے۔ جج صاحب پر
ہنسیں گے جو کرسی عدالت پر بیٹھ کر دن رات انصاف کرتے ہیں
نہیں امر۔ کبھی نہیں میں لوگوں کی ہنسی کا نشانہ نہیں بن سکتی ہوں
اپنا اور اپنے خاندان کی یہ تضحیک کبھی برداشت نہیں
کر سکتی۔ میں قبل اسکے لوگوں کی انگلیاں اپنی جانب اٹھتی ہوئی
دیکھوں ان آنکھوں کو ہمیشہ کے لئے اندھا کر لوں گی۔ قبل
اس کے کہ لوگوں کے طنز بھرے قہقہے سنوں اپنے کانوں میں سیسہ
پگھلا کر ڈالدوں گی۔

جب سے تم گئے ہو میں نے ایک لمحہ کیلئے چین نہیں پایا۔ میرا
مستقبل میرے حواس پر سوار ہے۔ میں نے تمہاری پر خلوص

محبت کی قدر نہیں کی آج مجھے افسوس ہو رہا ہے، کاش میری آنکھیں
چند ماہ قبل کھل گئی ہوتیں۔
تمہارا اندازہ درست تھا۔ واقعی اجیت کو مجھ سے محبت نہ تھی وہ
صرف مجھے فریب دے رہا تھا اور میں اس قدر بے وقوف تھی کہ اس
کی میٹھی میٹھی باتوں میں آکر اپنا سب کچھ لٹا بیٹھی۔ اپنا جسم اسکے
حوالے کر بیٹھی۔ جس کا نتیجہ آج میں بھگت رہی ہوں اور وہ سیاہ کار
بھونرا میری قسمت کا سارا اُجالا چوس کر اڑ گیا۔
اب وہ مجھ سے بات بھی نہیں کرتا۔ ملتا ہے تو نظر بچا کر پہلو سے
گذر جاتا ہے۔ میں نے کئی بار اُسے شرافت کا واسطہ دیا۔ اُسے
گذشتہ محبت کی باتیں یاد دلائیں۔ اس کے عہد و پیمان اور قسموں کا
حوالہ دیا۔ لیکن میری تمام منتوں اور خوشامدوں کا معلوم ہے اُس
نے کیا جواب دیا۔؟
اُس نے کہا "جب تم نے شادی سے پہلے اس آسانی کے ساتھ
اپنا جسم میرے حوالہ کر دیا۔ تو یقیناً کوئی دوسرا مرد بھی بہ آسانی
تم سے کھیل چکا ہوگا یا کھیل سکتا ہے۔ اس لئے میں ایسی آوارہ
اور ہرجائی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔ جی ہاں اس نے مجھے
آوارہ اور ہرجائی کہا۔ مجھے تباہ و برباد کر کے میری عزت اور
لوٹ کر اس نے مجھے آوارہ کا خطاب دیا۔ اس نے مجھ سے کہا
کہ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تمہارے پیٹ میں پرورش
پانے والا یہ گناہ میرا ہے۔
اب بتاؤ میں اُسے کیسے یقین دلاؤں۔؟

اجیت سے میرے تعلقات تو اسی وقت ختم ہو گئے تھے جب میں تمہاری جانب تیزی سے بڑھی تھی۔ جب میں دو ماہ کی مسلسل خاموشی کے بعد ایک روز تمہارے ہاں پہنچی تھی۔ لیکن ام یقین مانو اس وقت میرے ذہن میں یہ بات بالکل نہیں تھی کہ میں اپنا گناہ تمہارے سر تھوپ دوں گی۔ اس وقت مجھے یہ شبہ تک نہ تھا کہ اجیت کا گناہ یہ رنگ کھلائے گا۔ میں تمہاری جانب اسلئے بڑھی تھی کہ اجیت کے بعد میں اگر کسی کی آغوش میں پناہ لے سکتی تھی تو وہ تم تھے۔ اجیت کے بعد اگر مجھے کسی سے محبت تھی وہ تم تھے۔

اس کے دو ماہ بعد جب ایک روز اچانک میں راستے میں بیہوش ہو گئی اور تم مجھے ڈاکٹر کے ہاں لے گئے اس روز پہلی بار مجھے علم ہوا کہ میں کتنے بڑے تباہی کے غار میں گر گئی ہوں۔ اس روز پہلی بار مجھے پتہ چلا کہ اجیت کا گناہ پرورش پا رہا ہے۔

اس روز تم مجھے ڈاکٹر کے ہاں چھوڑ کر چلے گئے۔ میں تمہیں الزام نہیں دیتی۔ تمہارا غصہ اور تمہارے شکوک سب بجا تھے۔ لیکن تم کم از کم مجھ سے تو اس بارے میں کچھ پوچھ لیتے۔ تم نے مجھ پر فریب کا الزام لگایا۔ یقیناً میں نے تمہارے ساتھ فریب کیا لیکن بھگوان کی قسم اس اتنا بڑا فریب دینے کے متعلق میرے ذہن میں خیال تک بھی نہ آیا تھا۔ میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس گناہ کو تمہارے سر ڈال کر دنیا سے پناہ حاصل کر لوں گی۔ اور ایسا میں سوچتی بھی کیسے؟ مجھے اپنی اس حالت کا علم

ہوتا تو شاید یہ خیال میرے ذہن میں آجاتا۔ لیکن میں تو بالکل
بے خبر تھی۔

خیر تم ایک نہایت سخت خط لکھ کر اور مجھے بے یار و مددگار
چھوڑ کر چلے گئے۔ ڈاکٹر کے ہاں سے بمشکل تمام میں گھر پہنچی۔
لیٹر بکس میں تمہارا خط مل گیا۔ سچ مانو اس روز رات بھر میں اپنی
قسمت کو روتی رہی۔ اپنے مستقبل کی تباہی کا خیال مجھے مسوس
رہا تھا۔ تمہارا خط میری روح کو کچوکے دے رہا تھا۔

تم نے اپنے خط میں جو کچھ بھی لکھا تھا، وہ سب بجا تھا۔ تمہارے
ساتھ واقعی میں نے ظلم کیا تھا۔ لیکن ایک بات کہے بغیر میں نہیں
رہ سکتی۔ اور وہ یہ کہ تم نے میری اس حالت سے خبردار ہونے کے بعد
یا بقول تمہارے کہ میرے اس فریب کے کھل جانے کے بعد تم
نے ہمدردی کا ثبوت نہیں دیا۔ بچپن سے جس محبت کا تم
ثبوت دیتے آئے تھے جن قربانیوں کا تم وعدہ کرتے آئے تھے
وہ سب تمہارے غصہ کی رو میں بہہ گئیں۔

کیا تمہیں اپنے وہ الفاظ یاد ہیں جب تم نے مجھ سے کہا تھا۔
"چندرا میرے بازو تمہیں سہارا دینے کے لئے ہر وقت کشادہ
رہیں گے۔ میں تمہیں اپنی آغوش میں ہر وقت پناہ دینے کے لئے تیار
رہوں گا۔ خواہ تم مجھ سے کتنی ہی بے وفائی کرو گی"

پھر ایک بار تم نے کہا تھا۔
"چندرا جب تمہارا اجیت تمہیں ٹھکرا دے۔ جب ساری دنیا تمہیں
ٹھکرا دے۔ اس وقت تم میرے پاس چلی آنا۔ میری آنکھیں اس

وقت بھی تمہارے لئے کھلی ہوگی۔ میں اس وقت بھی خندہ پیشانی سے تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔"

شاید تم مجھ سے خفا ہوکر بمبئی جاتے وقت اپنے یہ الفاظ بھول گئے تھے۔ میں یہ کبھی نہیں سوچ سکتی کہ تم بے وفا ہو۔ یہ مجھے شک تک نہیں ہوسکتا کہ تم نے وہ الفاظ جذبات کی رَو میں کہے تھے۔ میں اب بھی یہی یقین رکھتی ہوں کہ یہ باتیں غصہ کی وجہ سے اس وقت تمہارے ذہن سے اتر گئی تھیں۔ ورنہ تم چترا کو —— اس چترا کو جس سے تمہیں بے انتہا محبت تھی جس کی خاطر تم نے بڑی بڑی مصیبتیں اُٹھائی تھیں —— اس چترا کو اس طرح بے بسی کی حالت میں چھوڑ کر نہ چلے جاتے۔

یہ جانتے ہوئے کہ چترا تباہی کے غار میں گر چکی ہے۔ چترا موت کے منہ میں جا رہی ہے۔ تم اس طرح پہلو بچا کر نہ چلے جاتے۔ اگر غصہ تمہارے حواس پر قابض نہ ہو جاتا تو تم یقیناً مجھے سہارا دیتے۔ مجھے اجیت ٹھکرا چکا تھا۔ مجھے زمانہ ٹھکرا چکا تھا۔ میں لڑکھڑا کر گر پڑی تھی۔ ان حالات میں تم یقیناً مجھے اپنی آغوش میں پناہ دیتے۔ تم مجھے تباہ و برباد ہونے سے بچا لیتے۔

لیکن اسے میری بدقسمتی ہے کہ غصہ نے تمہیں سوچنے سمجھنے کا موقع نہ دیا اور میں برباد ہوگئی۔ میرے ماں باپ کو میری سیاہ کاری کا علم ہوچکا ہے۔ اب میں سارے دن ایک کرہ میں بند پڑی رہتی ہوں اور دن رات ماں باپ اور عزیزوں کے طعنے سنتی ہوں۔

طعنوں کی منتظر کیوں بنی رہوں۔ خیریت ہے کہ ابھی تک دوسرے لوگوں کو علم نہیں ہوا ورنہ شاید میری زندگی دوبھر ہو جاتی۔ لیکن اگر یہی عالم رہا تو شاید وہ دن بھی دور نہیں جب دنیا والوں کی انگلیاں میری جانب اٹھنے لگیں۔ جب لوگ میری بدقسمتی پر قہقہے لگانے لگیں اور میں اپنے اندر برداشت کی قوت نہ پاکر خودکشی کرلوں۔

امر! تمہیں یہ خط لکھنے سے میرا مقصد صرف یہ ہے کہ تم اگر چاہو تو مجھے اس تباہی سے بچا سکتے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ میں اس قابل نہیں ہوں جو تم سے اس قسم کی خواہش رکھوں۔ لیکن پھر بھی تمہاری گذشتہ محبت اور قربانیوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تمہارے سکھائے ہوئے قاعدوں کا سہارا لے کر میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ مجھے ذلت و تباہی کے اس غار میں گرنے سے بچالو۔ تم ایسا کر سکتے ہو تم اگر چاہو تو مجھے نئی زندگی بخش سکتے ہو۔ اور اس کی آسان صورت یہ ہے کہ تم دہلی آجاؤ۔ میں خاموشی سے تمہارے ساتھ بمبئی یا اور کسی دوسرے شہر میں چلی چلوں گی۔ وہاں ہم دونوں شادی کرلیں گے۔ ایک دو سال تمہارے ساتھ رہ کر جب بچہ بڑا ہو جائے گا میں واپس اپنے گھر آجاؤں گی۔ اس وقت اگر تم چاہو تو مجھے چھوڑ دینا۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم میرے اس گناہ کو اپنے سایہ میں لے لو۔ اور مجھے دنیا کی تضحیک کا نشانہ بننے سے بچالو۔ اگر تم اس ہونے والے بچے کو جو فرشتوں کی طرح معصوم ہے اپنے نام سے منسوب کر سکے تو پھر دنیا کو اس کی

جانب آنکھ بھر کر دیکھنے کی کبھی جرأت نہ ہوگی۔ ورنہ دوسری صورت میری اور اس معصوم بچے کی۔ دونوں کی زندگی برباد ہو جائے گی۔

یقیناً ایسا کرتے ہوئے تمہیں سخت دکھ ہوگا۔ دوسرے کی بلا اپنے سر لینا بڑی جرأت اور مردانگی کا کام ہے۔ لیکن امر مجھے تمہاری لافانی محبت اور جذبۂ قربانی سے امید ہے کہ تم میری خاطر، میری زندگی بچانے کی خاطر ضرور اس بات پر آمادہ ہو جاؤ گے۔

خط بہت طویل ہو گیا ہے اس لئے ختم کرتی ہوں۔ امید ہے کہ تم میری بے ادبیوں اور تمام غریب کار بولنا کو فراخدلی سے معاف کر کے اس مصیبت کے وقت مجھے سہارا دو گے۔

جواب خط کے بجائے میں بے چینی کے ساتھ تمہاری منتظر رہوں گی۔

تمہاری

"چترا"

جس دوران میں دیپ خط پڑھتی رہی امر اس کی جانب گھورتا رہا۔ ختم کرنے کے بعد دیپ نے خط امر کی جانب بڑھا دیا۔

"پڑھ لیا" امر نے خط لیکر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں" دیپ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کچھ دیر کے لئے دونوں خاموش ہو گئے۔ دونوں اپنے اپنے خیالات میں کھوئے ہوئے تھے امر سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت کے وقت اسے

چترا کی مدد کرنی چاہیئے یا نہیں۔ اس کی محبت اُسے اُکسا رہی تھی کہ وہ اسی وقت دہلی روانہ ہو جائے لیکن چترا کی بے وفائیاں اس کا دامن تھام رہی تھیں۔ وہ اجیت کے اس گناہ کو اپنے ساتھ منسوب کر سکتا تھا۔ وہ چترا کے ساتھ شادی کرنے میں خوش تھا۔ لیکن خیال صرف یہ تھا کہ چترا نے شادی کرنے کے بعد بھی اگر اس سے بے وفائی کی تو کیا ہوگا؟

اِدھر اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی دیپ سوچ رہی تھی کہ "کیا امر چترا کو لینے دہلی چلا جائے گا؟ کیا اس نے آج تک جو صدمات سہے ہیں، امر کو اپنی جانب مائل کرنے میں جو مصیبتیں برداشت کی ہیں وہ سب یوں مٹی میں مل جائیں گی کیا امر اُسے چھوڑ کر چترا کو اپنائے گا۔ بے وفا چترا کو۔ جسکے پیٹ میں کسی دوسرے مرد کا گناہ کلبلا رہا ہے؟"

کچھ دیر کے بعد وہ دونوں اپنے اپنے خیالات سے اکتا گئے۔ ایک ہی جذبہ کے تحت دونوں نے کچھ کہنے کی غرض سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

امر نے محسوس کیا کہ دیپ کی آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں۔ اس کا دل تڑپ کر رہ گیا۔ دیپ کا دکھ اپنی جگہ درست تھا۔ امر اس کے جذبات کو اچھی طرح محسوس کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت دیپ پر کیا بیت رہی ہوگی لیکن وہ مجبور تھا۔ جہاں چترا کا سوال آ جاتا تھا امر کی نگاہوں میں ہر چیز بے قیمت ہو جاتی تھی۔ خواہ وہ کتنی ہی قیمتی یا پُر خلوص نہ ہو۔ چترا کے مقابلہ میں اس کے لئے دنیا کی کسی شئے کی وقعت نہیں تھی۔ اس وقت بھی یہی مسئلہ درپیش تھا۔ ایک جانب چترا تھی۔ جو اس سے پناہ مانگ رہی تھی اور دوسری جانب دیپ کی پُر خلوص اور گرمجوش محبت تھی۔

اور امر دونوں بھتوں کے درمیان اُلجھا ہوا تھا۔ ٹینس کی گیند کی طرح
وہ دونوں بھتوں کے درمیان اُچھلتا پھر رہا تھا اور کہیں اُسے قرار نہ تھا۔
کوئی ایسا مقام نہ مِلتا تھا جہاں وہ ٹھہر جائے۔
آخر وہ صبر آزما خاموشی توڑنے کے لئے دیپ نے ہی اپنے ہونٹوں
کو جنبش دی۔
"پھر تم نے کیا سوچا۔؟
"کس بارے میں!" امر نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالدیں۔
"چندرا کے؟
"چندرا کے بارے میں؟" امر نے ایک لمبا سا ٹھنڈا سانس بھرتے
ہوئے کہا۔" ابھی کچھ نہیں سوچا۔ ابھی میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔
"تمہیں چندرا سے بے پناہ محبت ہے" دیپ نے بمشکل اپنے آنسوؤں پر
قابو پاتے ہوئے کہا۔" اس لئے بہتر ہے کہ تم دہلی چلے جاؤ اور اُسے سہارا
دو۔
امر نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور بولا۔
"دیپ...... تم مجھے یہ مشورہ دے رہی ہو؟
"ہاں!" دیپ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور اس کے آنسوؤں کا
بندھ ٹوٹ گیا۔ اب تک وہ جس سیلاب کو ضبط کئے ہوئے تھی وہ قابو
سے باہر ہو گیا۔ امر حیران و پریشان اس کی جانب گھورنے لگا۔ اس کی
سمجھ میں ہی نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس کی تسلی کرے یا اپنی کشمکش کو سلجھائے
چند لمحوں تک دیپ سسکیاں لے لے کر روتی رہی پھر اچانک اٹھی اور
تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔

امر پر جیسے سکتہ کا عالم طاری ہو گیا تھا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس میں اتنی بھی طاقت نہ رہی تھی کہ وہ دیپ کے گلابی رخساروں پر مچلتے ہوئے سیمیں آنسوؤں کو اپنے دامن میں جذب کر سکتا۔ اُسے اتنا بھی ہوش نہ تھا کہ وہ جاتی ہوئی دیپ کو روک لیتا۔ اس کا ہاتھ تھام لیتا۔ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا تو کم از کم اس کی تسلی کر دیتا۔ اس سے تسکین اور ہمدردی کے دو الفاظ ہی کہہ دیتا۔

دیپ کے چلے جانے کے دو منٹ بعد اس کا طلسم ٹوٹا۔ اس کا دماغ جو عارضی طور مفلوج ہو گیا تھا یکایک اس میں زندگی کی حرارت دوڑ گئی۔ آن واحد میں سارا حالات اس کے ذہن میں آ گئے۔ وہ تیزی سے اُٹھ کر دروازہ کی جانب بھاگا۔ لیکن اتنی ہی دیر میں دیپ ہوٹل کے دروازہ سے باہر کھڑی ہوئی ٹیکسیوں میں سے ایک ٹیکسی پر بیٹھ کر اپنے گھر جا چکی تھی۔

امر چند لمحوں تک باہر دروازہ پر کھڑا ہوا خالی سڑک کو ویران آنکھوں سے گھورتا رہا۔ اور پھر باحسرت و یاس مرے مرے قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

وہ باقی دن اور ساری رات اس نے کمرہ میں ٹہل ٹہل کر بسر کر دی میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے سگرٹوں کے ٹکڑوں سے بھر گیا۔ رات کا کھانا کیبن کونے میں رکھا ہوا ٹھنڈا ہو گیا۔ لیکن امر کو سکون نہ تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح کمرے میں ٹہلتا رہا۔ اور سوچتا رہا۔ سوچتا رہا اور ٹہلتا رہا۔ جترا، دیپ جترا دیپ دو نام تھے جو اس کے ہوش و حواس پر بگولہ بن کر چھائے ہوئے تھے تصور میں کبھی جترا۔ بیمار اور پریشان آ سے اپنا دامن کھینچتی ہوئی نظر

آتی۔ جیسے وہ کہہ رہی ہو۔

"کیا تم اس مشکل میں میری مدد نہ کرو گے؟ کیا اسی بات پر محبت کا دعویٰ کرتے تھے؟ کیا اسی لئے مجھے سہارا دینے کا وعدہ کیا تھا کہ مجھے اس مصیبت کے وقت دنیا کی ٹھوکروں میں چھوڑ کر چلے جاؤ۔ اور کسی دوسری لڑکی کے ساتھ عیش کرو۔ دیکھو میں خوشامد کرتی ہوں۔ میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھے اپنا لو۔ میرے گناہ کو اپنا لو ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گی۔ میں جو کبھی تمہاری زندگی سے بھی پیاری تھی دنیا کی نگاہوں میں ذلیل ہو جاؤں گی۔ کیا تم اپنی محبت کو اس طرح ذلیل و خوار ہوتے ہوئے گوارا کر لوگے۔ بولو؟ میری بات کا جواب دو۔ اس طرح بے رخی سے کیوں ٹہل رہے ہو۔ بتاؤ مجھے سہارا دوگے"!

یکایک امر کے ذہن کو ایک زبردست جھٹکا سا لگتا۔ جیسے کوئی دوسری جانب سے یکایک اس کا بازو پکڑ کر اپنی جانب کھینچ لیتا ہو۔

آن واحد میں چترا کی تصویر ہیولا بن کر غائب ہو جاتی اور شوخ و شنگ دیپ چہرے پر اداسی لئے اسے ویران آنکھوں سے اپنی جانب گھورتی ہوئی نظر آنے لگتی جیسے وہ کہہ رہی ہو۔

"امر! بتاؤ کیا تم میری بے پناہ محبت اور قربانیوں کا یہی صلہ دینا چاہتے ہو؟ کیا اسی دن کے لئے تم نے مجھ سے اتنی رسم و راہ بڑھائی تھی۔ کیا تمہیں اب بھی خیال نہیں کہ جس کے پیچھے تم بھاگ رہے ہو وہ بے وفا ہے فتنہ کار ہے وہ تمہیں کئی مرتبہ دھوکا اور فریب دے چکی ہے تمہیں ٹھکرا چکی ہے۔ وہ اپنی عصمت کو عصمت نہیں جانتی ہے۔ اس کے باوجود تم اس کی جانب بڑھ رہے ہو۔ ایسی عصمت فروش بے وفا اور دغا باز عورت تمہارے

قابل ہے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ اتنی بڑی قربانی کے باوجود وہ تم سے وفا کر سکے گی۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ وقت نکل جانے کے بعد پھر تمہیں چھوڑ کر چلی جائے تمہیں ٹھکرا دے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ تم سے شادی کے باوجود ہر اجنبی کی آغوش گرم کرتی رہے۔ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو جو لڑکی شادی سے پہلے اس قدر کمزور کردار کی ثابت ہو سکتی ہے وہ شادی کے بعد کیا گل نہیں کھلا سکتی۔ اس وقت تو تم سے کسی بات کا بھی خطرہ نہ ہوگا۔ دوسرے لوگوں کے گناہ بھی بڑی آسانی سے تمہارے سر منڈھے جا سکیں گے اور تمہیں علم تک نہ ہوگا۔

بولو کیا ان حالات میں بھی تم مجھے چھوڑ کر اس بے وفا کے پاس چلے جاؤ گے اور اس کا گناہ چھپانے کیلئے اس سے شادی کر لوگے۔

پھر ایک چھناکے کے ساتھ دیپ کا سایہ بھی غائب ہو جاتا۔ اور رام کو اپنے دونوں بازوؤں پر گرفت سی محسوس ہوتی۔ جیسے ایک جانب سے اسے چترا پکڑ کر کھینچ رہی ہو اور دوسری جانب سے دیپ اور درمیان میں وہ سخت درد اضطراب کے عالم میں تڑپ رہا ہو۔ یکایک اسے محسوس ہوتا جیسے ابھی اس کے بیچ میں سے ٹوٹ کر دو حصے ہو جائیں گے۔ جیسے ابھی وہ مٹی کے کھلونے کی طرح ٹوٹ کر زمین پر ڈھیر ہو جائے گا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر چیخ اٹھتا۔

"نہیں نہیں۔ مجھے چھوڑ دو۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

لیکن تمام رات پاگلوں کی طرح ٹہلتے رہنے کے باوجود وہ پاگل نہ ہوا۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ اسکا ذہن سوچنے سمجھنے کی طاقت سے محروم ہو گیا۔ اسکا دماغ ماؤف ہو گیا اور پھر نیم بیہوشی کے عالم میں وہ بستر پر گر پڑا۔

چودھواں باب

دیپ گھر پہونچ کر گھنٹوں اپنی قسمت کو روتی رہی۔ بار بار اسکا دل کہتا کہ "چل امر کے پاس چل اور اس کے قدموں پر سر رکھ دے۔ اسے وہی چترا کے پاس جانے سے روک لے۔ اس سے کہہ کہ تیرے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ تیرے بغیر میں ایک چلتی پھرتی لاش کے سوا کچھ نہیں ہوں۔ میری آرزؤں میری امنگوں کو پامال کر کے اس بے وفا کے پاس نہ جا۔"

لیکن یہ خواہش ہونے کے باوجود وہ امر کے پاس نہ جا سکی۔ اس دیپ نے اپنے دل کا کہنا نہ مانا۔ اس نے دل کے مقابلہ میں عقل کو ترجیح دی اس نے سوچا کہ وہ امر جو آج تک چترا کے لئے قربانیاں کرتا آیا ہے جو ہر حالت میں اس سے وابستہ ہے۔ جو چترا کی فریب کاری اور بے وفائی کے باوجود اُسے نہیں بھول سکا وہ میری خوشامدوں سے کب رُک سکتا ہے۔ اس مصیبت کے وقت وہ اپنی زندگی کی روح اپنی جان تمنا

تیاری کرنے لگی۔ لیکن ابھی وہ بباس تبدیل کر کے فارغ ہی ہوئی تھی کہ دروازہ پر دستک کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے۔ اندر آجاؤ" اس نے شیشے کے سامنے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس کا خیال تھا کہ کوئی پڑوسن ہوگی۔

لیکن آئینہ میں پولیس انسپکٹر کا عکس دیکھ کر چونک پڑی اور اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ کنگھا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا اور وہ فوراً گھوم کر بولی۔

"فرمایئے آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں"؟

"آپ سے" انسپکٹر نے مسکرا کر با اخلاق لہجہ میں کہا۔

"مجھ سے"؟

"جی ہاں" انسپکٹر نے کہا "سب سے پہلے تو مس دیپ میں بے وقت آمد کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ لیکن کام کچھ ایسا ضروری تھا"۔

"حیرت ہے" دیپ نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے کہا "مجھ سے پولیس کو کیا کام ہو سکتا ہے"؟

"آپ فکر مند نہ ہوں" انسپکٹر نے تسلی آمیز لہجہ میں کہا "چند منٹ سے زیادہ میں نہیں لونگا۔ آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں"۔

دیپ آہستہ چلتی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور دوسری کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"تشریف رکھئے"۔

انسپکٹر بیٹھ گیا تو دیپ نے کہا۔

"فرمایئے"؟

"میں دو تین روز سے آپ کی تلاش میں تھا۔" انسپکٹر نے کہا۔ "لیکن معلوم ہوا کہ آپ سروس پر کلکتہ گئی ہوئی ہیں۔ خوش قسمتی ہے کہ آج آپ مل گئیں۔"

دیپ سمجھ تو گئی تھی کہ وہ امر کے سلسلہ میں ہی اس سے ملنے آیا ہے۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ دیکھئے اب کس بات کا انکشاف ہوتا ہے پھر بھی اس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"لیکن آپ مجھے کس لئے تلاش کر رہے تھے کیا مجھ سے کوئی جرم سرزد ہو گیا ہے؟"

"جی نہیں۔ میں ابھی عرض کرتا ہوں۔"

"فرمائیے۔ میں سن رہی ہوں۔"

انسپکٹر نے پر اہمیت انداز میں کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"آپ امر نام کے کسی نوجوان سے واقف ہیں؟"

"جی ہاں۔" دیپ نے پر سکون لہجہ میں کہا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اُسے کتنے عرصے سے جانتی ہیں؟"

"تقریباً چار ماہ سے۔" دیپ نے جواب دیا۔

"گستاخی معاف۔" یکایک انسپکٹر نے کہا۔ "کیا آپ مسٹر امر سے محبت کرتی ہیں؟"

دیپ کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ اس نے کسی قدر ناراضگی کے لہجہ میں کہا۔

"آپ کو ایسے سوالات پوچھنے کا کیا حق ہے؟"

"حفظ ما تقدم کیجئے۔" انسپکٹر نے مسکرا کر کہا۔ "میں آپ ہی کی بھلائی کیلئے یہ سوال

رہا ہوں۔"

"میں اپنی اچھائی برائی خود سمجھ سکتی ہوں۔" ریپ نے ناگواری کے لہجہ میں کہا۔ "مہربانی کر کے اپنے مقصد کی بات بیان کیجئے۔"

"لیکن مس ویب میرے۔ اس سوال میں میرا سب سے بڑا مقصد پنہاں ہے۔"

"فرض کیجئے آپ کا اندازہ درست ہو۔" ریپ نے بات کو جلد از جلد ختم کرنے کی غرض سے کہا۔

"تو پھر میں ایک مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ آپ نے اپنے نئے ساتھی کا غلط انتخاب کیا ہے۔"

ریپ کے دل نے زور سے ایک جھٹکا کھایا۔ اُسے محسوس ہوا جیسے کوئی چیز اس کے حلق میں اٹک رہی ہے۔

"کیوں؟ کیا وہ کوئی مجرم ہے؟"

"جی ہاں۔ ہم سے زیادہ وہ آپ کا مجرم ہے۔" انسپکٹر نے معنی خیز انداز سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ آپ کو محبت کا فریب دے کر آپ سے کھیلتا رہا ہے۔"

"مہربانی فرما کر ذرا وضاحت سے پوری بات بیان کریں۔" ریپ نے انسپکٹر سے پراسرار انداز سے الجھتے ہوئے کہا۔

"پوری بات یہ ہے۔" انسپکٹر نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "آپ کے مسٹر رام نے ریسے ایک لڑکی کو اغوا کر کے کسی جگہ چھپا دیا ہے۔"

"اوہ!" ریپ نے اطمینان کا لمبا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ وہ لڑکی کون ہے؟"

شاید انسپکڑ کا خیال تھا کہ دیپ یہ خبر سن کر فوراً رو پڑے گی اسی لئے اس نے آہستہ آہستہ اُسے یہ خبر سنائی تھی۔ لیکن یہ خبر سننے کے بعد بھی اُسے مطمئن دیکھ کر اُسکے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس نے کہا۔

" اس لڑکی کا نام چترا ہے۔ اور وہ دہلی کے ایک جج صاحب کی لڑکی ہے "

" پھر آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں؟ دیپ نے سوال کیا

" اس کے بارے میں کچھ معلومات کرنے اور اس کے بارے اصلی حالات آپ کو بتانے "

" فرمایئے۔ اس کے بارے میں آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟

" آپ اس سے آخری بار کب ملی تھیں "

" کوئی پندرہ روز ہوئے "

" کیا اس نے آپ سے دہلی جانے کا تذکرہ کیا تھا "

" جی ہاں "

" دہلی جانے کی وجہ بتائی تھی "

" جی ہاں "

" کیا کہا تھا اس نے " انسپکڑ نے پوچھا

" یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی۔ دیپ نے جواب دیا۔ پہلے آپ بتائیں کہ اس کے بارے میں آپ کو کچھ معلوم ہے۔؟

" جی ہاں۔ وہ اس وقت دہلی پولیس کی تحویل میں ہے "

دیپ کے دل کو یہ سنکر ایک دھکا سا لگا۔ اس نے جلدی سے پوچھا۔

" کیا مطلب "؟

" مطلب یہ کہ دہلی پولیس نے اُسے اغوا کے جرم میں گرفتار کر لیا ہے اور

ہمیں یہاں اس کے بارے میں تحقیقات کرنے کو لکھا ہے۔

"اور وہ لڑکی کہاں ہے؟" ڈیپ نے پوچھا۔

"یہی تو تحقیق طلب سوال ہے۔ انسپکٹر نے کہا" دراصل واقعہ یہ ہے امر جنے اس لڑکی کو کسی جگہ چھپا دیا ہے اور اب وہ جرم سے انکاری ہے یعنی وہ کہتا ہے کہ میں نے اس لڑکی کو اغوا نہیں کیا۔ حالانکہ گزشتہ تمام واقعات اس بات کے حق میں ہیں کہ ایک وہی شخص ایسا ہو سکتا ہے جو اس لڑکی کو اغوا کر سکتا ہے۔ چنانچہ ہم یہاں بھی تلاش کر رہے ہیں کہ اس نے جنرا کو کہاں چھپایا ہے۔ یہی دریافت کرنے میں ہوٹل میں اس کے کمرے پر گیا تھا لیکن جب مجھے پتہ چلا کہ یہاں ایک اور لڑکی بھی اس سے ملنے آئی تھی تو میں آپ کے پاس چلا آیا۔ مجھے خیال گزرا کہ آپ شاید میری کچھ مدد کر سکیں۔"

"لیکن وہ لڑکی اپنے مکان سے کب غائب ہوئی؟" ڈیپ نے سوال کیا۔

"کوئی دس بارہ روز ہوئے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔ پھر ایک لمحہ ٹھہر کر بولا۔

"دیکھئے میں آپ کو تفصیل سے سارا واقعہ بتاتا ہوں۔ قصہ یہ ہے کہ امر پہلے مستقل طور پر دہلی میں رہتا تھا۔ اس سے بھی پہلے جب وہ لاہور میں رہتے تھے اس وقت سے جج صاحب کی لڑکی جنرا کو وہ جانتا تھا۔ پھر دہلی آ کر ان کے تعلقات بڑھ گئے۔ لڑکی معصوم تھی اس لئے اس کے فریب میں آ گئی اور اپنی عصمت گنوا بیٹھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حاملہ ہو گئی۔ امر کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کا گناہ پھیلنے لگا تو وہ ڈر گیا اور دہلی چھوڑ کر بمبئی آ گیا۔

تین چار ماہ تک تو جنرا اسے گناہ کا راز چھپا رہا۔ لیکن آخر ایک روز وہ راز ضرور افشا ہونا تھا۔ اس کی ماں نے بیٹی کی بدلی ہوئی حالت پہچان لی اور اس سے سختی سے پوچھا کہ بتا یہ کس نے کیا ہے۔ لڑکی نے اس دھوکے باز کا

نام بتانے سے صاف انکار کر دیا۔ ماں کو تشویش ہوئی۔ اس نے جج صاحب سے ذکر کیا اور وہ خاموشی سے اس کی تحقیق کرنے لگے۔ چند روز کے بعد جو انہیں معلومات حاصل ہوئیں ان سے پتہ چلا کہ امر سے اس کے گہرے مراسم تھے۔ وہ اکثر اس کے ساتھ رہتی تھی اس کے گھر پر جاتی تھی۔ چونکہ اس سے پہلے بھی لاہور میں ایک بار امر نے چترا کو خط وغیرہ لکھے تھے اور اس پہ ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اس لئے ماں باپ کو فوراً یقین ہو گیا کہ بیٹی کے ماتھے پر یہ کلنک کا داغ امر نے لگایا۔

پھر انہوں نے امر کے بارے میں تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ وہ ہٹی ہے انہوں نے لڑکی سے کہا کہ بد نامی ہونے سے پیشتر بہتر یہ ہے کہ وہ امر کو بلا لے اور اس سے شادی کر لے۔ چترا نے انکار کر دیا۔

لیکن کوئی دس روز ہوتے ایک روز چترا اچانک گھر سے غائب ہو گئی ماں باپ کو تشویش ہوئی۔ پوچھ گچھ کرنے پر ایک ملازم نے بتایا کہ ایک ہفتہ پیشتر چترا نے کوئی خط ملازم سے ڈاک میں ڈلوایا تھا جس پہ امر کا نام لکھا تھا۔ یہ معلوم کر کے انہیں خیال گذرا کہ یقیناً چترا امر کے پاس چلی گئی ہے یا امر خود اُسے آکر لے گیا ہے۔

لیکن اس کے تین چار روز بعد ہی امر کو دہلی میں دیکھا گیا۔ اور جب اس سے چترا کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ میں نے اسے دیکھا تک نہیں۔ اس سے جج صاحب کو شک گذرا اور انہیں خیال ہوا کہ کہیں اس نے اپنا جرم چھپانے کے لئے لڑکی کو قتل تو نہیں کر دیا چنانچہ انہوں نے لڑکی کی گمشدگی کے بارے میں پولیس میں رپورٹ درج کر دی اور سارے واقعات بتا دیئے۔ پولیس نے اسی روز امر کو

لم گرفتار کر لیا۔

پولیس کے سوالات کے جواب میں بھی امر نے یہی کہا کہ چترا نہ اس کے پاس گئی اور نہ وہ چترا سے ملا۔ خط کو اس نے تسلیم کر لیا کہ ہاں چترا نے اسے خط لکھا تھا۔ البتہ خط کے مضمون کے بارے میں اس نے کوئی بات بتانے سے انکار کر دیا۔ لڑکی کے گناہ کے بارے میں اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ نہ انکار کیا اور نہ اقرار۔ بس یہ سارے واقعات ہیں۔ لڑکی غائب ہے۔ امر حوالات میں ہے۔ پولیس کو بھی اب یہ یقین ہوتا جا رہا ہے کہ چترا کو وہ کسی بہانے سے اغوا کر کے کہیں لے گیا یا چترا خود اس کے پاس آ گئی اور اس نے اس سے چھٹکارا پانے کے لئے اسے ہلاک کر دیا۔"

دیپا تو خاموشی سے پوری روداد سن رہی تھی یا یہ آخری فقرہ سن کر چیخ پڑی:

"جھوٹ۔ بالکل جھوٹ۔ امر ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔"

انسپکٹر نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور بولا۔

"مس دیپا آپ کو معلوم نہیں کہ ایسے نوجوان کس قدر خطرناک ہوتے ہیں۔"

"میں امر کے بارے میں آپ سے زیادہ جانتی ہوں۔" دیپا نے جھلا کر کہا۔ "وہ بالکل معصوم اور بے گناہ ہے۔ افسوس ہے کہ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ امر کے بارے میں آپ کے اندازے بالکل غلط ہیں۔"

"کیا آپ نے امر سے اس لڑکی چترا کے بارے میں کچھ سنا تھا؟"

"ہاں:" دیپا نے جواب دیا۔ "میں چترا کے بارے میں سب کچھ جانتی تھی۔ لیکن موجودہ حالات میں جب کہ مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ امر کو پولیس

نے گرفتار کیا ہے۔ میں اس سلسلے میں کوئی بات بتانی نہیں چاہتی۔ میں آج ہی دہلی جا رہی ہوں اور عدالت میں بیان دوں گی۔ امر بالکل بے گناہ ہے۔ وہ اس قدر بے گناہ اور مظلوم ہے کہ اس پر کسی کو قتل کرنے کا الزام تک نہیں کیا جا سکتا۔"

"لیکن آپ کو پولیس کی ایمان داری پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ حالات ہمیں بھی بتا دینے چاہئیں۔ جو آپ کو معلوم ہیں۔"

"افسوس نہیں!" زیب نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "میں اس بارے میں ایک لفظ بھی یہاں بتانے کو تیار نہیں ہوں۔ سوائے عدالت کے!"

"بہت اچھا!" انسپکٹر نے مایوسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو مجبور نہیں کرسکتا لیکن بہتر تھا!"...

زیب نے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی۔

"مہربانی فرما کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کیجئے!"

انسپکٹر خاموش ہو گیا۔ اور رخصتی سلام کر کے واپس چلا گیا۔

زیب نے سینما جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور ایک اٹاچی کیس میں چند کپڑے رکھ کر فوراً امر کے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔ امر کے کمرے میں پہنچ کر اس نے چترا کا وہ خط لیا جو اس نے دوپہر کو ہی حفاظت سے اس کے کوٹ کی جیب میں ڈالا تھا۔ پھر وہاں سے سیدھی ایرپورٹ پر پہنچی اور دہلی جانے والے ہوائی جہاز پر سوار ہو گئی۔

پندرھواں باب

جیل کی کوٹھری کا آہنی دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا اور سنتری چابیوں کا گچھا جھنجھناتا ہوا اندر داخل ہوا۔

"ایک لڑکی تم سے ملنے آئی ہے!" سنتری نے اندر داخل ہو کر کہا امر جو سر جھکائے بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا اور کسی قدر متعجب لہجے میں بولا۔

"مجھ سے"؟

"ہاں"

"مجھ سے کوئی لڑکی ملنے آئی ہے" اس نے پریشانی کے لہجہ میں کہا۔ اور پھر سنتری سے سوال کیا "کیا نام ہے اس کا"؟

"مجھے نہیں معلوم" سنتری نے جواب دیا۔ "وہ ملاقات کے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہی ہے"

ایک لمحے میں سیکڑوں خیالات امر کے ذہن میں گھوم گئے۔ کیا چترا

اس سے ملنے آئی ہے۔ اُسے اس طرح رسوا اور بے عزت کر کے کیا اب وہ اس کی بے بسی کا مذاق اڑانے آئی ہے۔ یا اپنی خوشامد پیش کرنے آئی ہے۔

ایک ہفتہ سے وہ جیل کی حوالات میں بند تھا۔ اس سے روزانہ سوالات پوچھے جانے تھے کہ بتاؤ تم نے چترا کو کہاں چھپا رکھا ہے۔ وہ حیران و پریشان تھا کہ وہ چترا سے ملا تک نہیں پھر اسے کس جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔

اب اُسے افسوس ہو رہا تھا کیوں اس نے ریبیکا جیسی محبت کرنے والی گرم جوش لڑکی کو چھوڑا۔ اور چترا کے پیچھے بھاگا۔ جو ہمیشہ اُسے ایک نہ ایک زخم دیتی آئی ہے وہ سوچ رہا تھا کہ مجھے خط لکھ کر دہلی بلانے میں بھی چترا کی کوئی چال تھی۔ ؟ ابھی تک بہت غور و خوض کرنے کے باوجود اس کی سمجھ میں یہ نہ آسکا تھا کہ اسے کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔ اُسے تو صرف اتنا معلوم تھا کہ ایک ہفتہ کی ذہنی کشمکش میں مبتلا رہ کر اس نے دہلی آنے کا فیصلہ کر لیا۔ دہلی پہونچ کر ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ چترا سے ملے کہ اسی روز شام کو اس کے پرانے کمرہ پر ایک انسپکٹر چند سپاہیوں کو ساتھ لئے ہوئے آیا اور اُسے گرفتار کر کے پولیس اسٹیشن لے گیا۔

پولیس اسٹیشن میں اس سے پوچھا گیا۔

"بتاؤ چترا کہاں ہے ؟"

پہلے تو وہ سمجھا تھا کہ شاید کسی غلط فہمی کی بنا پر اُسے گرفتار کیا گیا ہے لیکن جب چترا کے بارے میں اس سے پوچھا گیا تو وہ حیران رہ گیا۔

دوبارہ وہی سوال پوچھے جانے پر اس نے جواب دیا۔

"مجھے کیا معلوم؟ اپنے گھر پر ہوگی۔"

"اگر گھر پہ ہوتی تو تمہیں کیوں گرفتار کیا جاتا"

"پھر مجھے کیا معلوم؟" اس نے ناگواری کے لہجہ میں کہا "میں تو آج ہی بمبئی سے آیا ہوں۔"

"ہم خوب سمجھتے ہیں" انسپکٹر نے اپنی مونچھوں کو اینٹھتے ہوئے کہا "تم جیسے سینکڑوں چالاک ہمارے ہاتھوں میں بھرے پڑے ہیں۔ پہلے لڑکی کو غائب کر دیا اور اب معصوم بننے کے لئے دہلی آ گئے۔ بتاؤ اسے بمبئی میں کہاں چھپا رکھا ہے؟" یہ الزام سن کر امر کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی رگوں میں کسی نے برف کوٹ کر بھر دی ہو۔ اب پہلی بار اسے حقیقت کا صحیح علم ہوا کہ چترا اپنے گھر سے غائب ہو گئی ہے اور اسے چترا کو اغوا کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔ یہ سوچ کر اس کے سینے میں گھٹن سی ہونے لگی۔ وہ جس دغا باز اور فریب کار چترا کے لئے دیپ کو چھوڑ کر آیا تھا۔ اس کی بے وفائیوں کے باوجود وہ جس کی مدد کرنے آیا تھا۔ وہ چترا پھر اسے بیچ منجدھار میں چھوڑ گئی تھی۔ وہ پھر اسے امید کی ہلکی سی جھلک دکھا کر اجنبیت کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔

اس کے بعد پولیس انسپکٹر نے اس سے کیا کیا سوالات کئے اور اس نے کیا جوابات دیئے اسے کچھ یاد نہیں۔ غم و غصہ کی وجہ سے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ اسے صرف اتنا یاد تھا کہ اسے طرح طرح کی دھمکیاں دی گئیں۔ جج صاحب کے اثر و اقتدار کا حوالہ دیا گیا۔ زندگی بھر جیل میں پڑے رہنے کا خوف دیا گیا۔ لیکن اسے چترا کے بارے میں کچھ معلوم ہوتا تو وہ بتاتا۔ کئی بار اس کے جی میں آیا کہ وہ چترا کے خط کا ذکر کرے

لیکن ہر بار نہ جانے کیوں وہ رک گیا۔ شاید اس لئے کہ وہ اب بھی چترا کی بدنامی نہیں چاہتا تھا۔ پولیس انسپکٹر اور چترا کے گھر والے سمجھ رہے تھے کہ چترا کے پیٹ میں اس کا گناہ پرورش پا رہا ہے اور اُسی گناہ کو چھپانے کے لئے اس نے چترا کو اغوا کیا ہے۔ اس حالت میں اگر اس نے وہ خط پیش کیا تو وہ لوگ جان جائیں گے کہ چترا آوارہ تھی۔ وہ بیک وقت کئی کئی مردوں سے تعلقات رکھتی تھی۔ اس تذریلے وفائیوں اور مکاریوں کے باوجود وہ چترا کو بے عزت ہوتے نہ دیکھ سکتا تھا۔

لیکن اصل میں وہ پولیس کے اس خیال کو نہ بھانپ سکا تھا کہ پولیس والے اس کو صرف چترا کو اغوا کرنے کا مجرم ہی نہیں سمجھ رہے ہیں بلکہ اُسے چترا کا قاتل بھی سمجھ رہے ہیں۔ پولیس والوں کا خیال تھا کہ وہ ایک آوارہ اوباش نوجوان ہے اس نے کسی طرح معصوم چترا کو اپنی محبت کے جال میں پھانس لیا اور اس کی عصمت لوٹ لی بعد میں جب اُسے پتہ چلا کہ اس کا گناہ بار آور ہونے لگا ہے تو وہ چترا کو اکیلا چھوڑ بمبئی بھاگ گیا۔

پھر بعد میں اُسے خود کوئی خیال آیا۔ یا چترا نے اُسے کسی طرح آمادہ کر لیا کہ وہ اس سے شادی کرے۔ چنانچہ وہ شادی کے بہانے چترا کو بمبئی لے گیا اور اس سے پیچھا چھڑانے کے بہانے اُسے قتل کر کے کہیں ڈال دیا اور پھر خود حالات کا جائزہ لینے کے لئے معصوم بن کر دہلی آگیا۔

چترا کے والدین بھی پولیس کے اس نظریہ سے متفق تھے۔ لیکن امر ان تمام خیالات سے بے خبر ابھی تک چترا کی عزت بچانے کے خیال سے خاموش تھا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنے مقاصد کی پیروی کے لئے کسی وکیل کی خدمات بھی حاصل نہ کیں تھیں۔ اُسے یقین تھا کہ یہ سب غلط فہمی کی

بنا پر ہوا ہے اور عدالت انصاف کر کے اُسے یقیناً بری کر دے گی۔
امر کو خیالات کی الجھن میں دیکھ کر سنتری نے کسی قدر خشک لہجہ میں کہا۔
"ملنا ہے یا نہیں؟"
"اوہ! ہاں" امر جیسے خواب سے چونک پڑا۔ "ہاں میں اس سے ملونگا"
یہ کہہ کر وہ سنتری کے پیچھے ملاقات کے کمرہ میں پہنچا۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی دیپ اپنی جگہ سے اٹھی اور دوڑ کر امر سے چمٹ گئی۔ اور پھر اس کے شانے پر سر رکھ کر بے تحاشہ رونے لگی۔
امر کو یہ قطعاً امید نہ تھی کہ دیپ ہو گی۔ اول تو اُسے یقین تھا کہ دیپ کو اس کی گرفتاری کا حال معلوم نہ ہوگا۔ دوسرے اگر اُسے علم بھی ہو گیا ہوگا تو وہ اس کے رویہ سے مایوس ہو چکی ہو گی وہ سمجھ چکی ہوگی کہ میں اس کا کبھی نہیں ہو سکتا۔ چترا میری سب سے بڑی کمزوری ہے۔ میں کسی وقت بھی چترا کی خاطر اُسے اکیلا چھوڑ کر جا سکتا ہوں۔ لیکن اب یکایک دیپ کو اپنے سامنے موجود پا کر اُسے اپنی زیادتی کا شدید احساس ہونے لگا۔ دیپ واقعی پوجے جانے کے قابل لڑکی تھی۔ وہ محبت کی دیوی تھی۔ اس میں قربانی، وفا، محبت اور دوستی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی
دیپ اس کے شانے پر سر رکھے روتی رہی اور وہ سوچتا رہا:
"مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ دیپ میرے بارے میں کیا سوچتی ہو گی! کتنا اب اُسے بھی یقین ہو گا کہ میں نے چترا کو اغوا کر کے کسی جگہ چھپا رکھا ہے"۔
تھوڑی دیر کے بعد جب دیپ کا جوش کسی قدر فرو ہو گیا تو اس
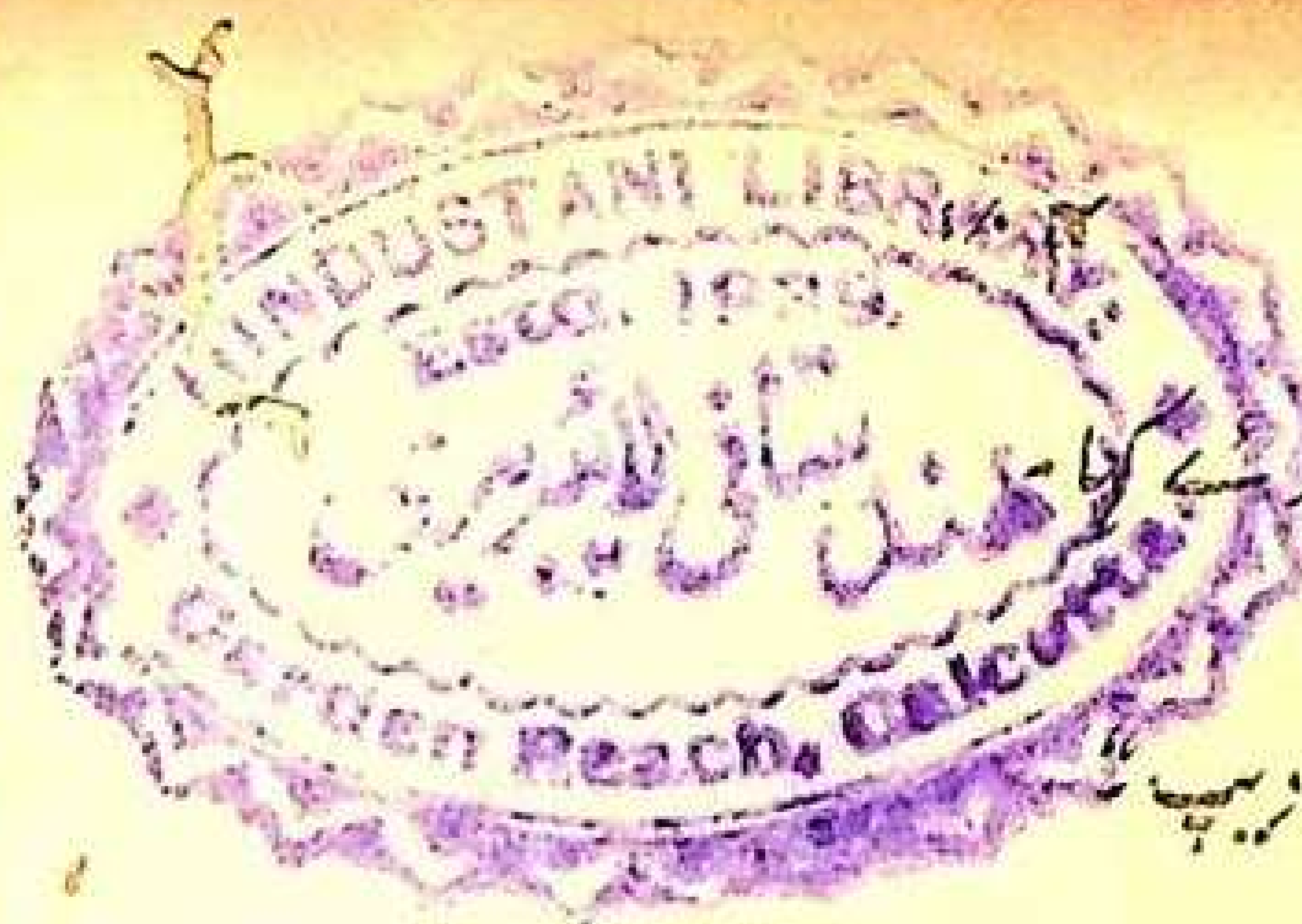
نے امر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا

"امر یہ کیا ہو گیا؟"

"مجھے خود پتہ نہیں زیب"

"چترا کہاں ہے؟"

"یہی تو مجھے علم نہیں کہ چترا کہاں ہے" امر نے جواب دیا "میں دراصل چترا ہی سے ملنے آیا تھا لیکن یہاں آتے ہی گرفتار کر لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ چترا میرے آنے سے چند روز پیشتر سے ہی گھر سے غائب ہے۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ چترا کو میں نے اغوا کیا ہے"

"پھر اب کیا ہوگا؟" زیب نے سوال کیا۔

"جو قسمت میں ہوگا" امر نے مایوسی کے لہجہ میں کہا۔ "لیکن زیب تمہیں میرے بارے میں کیسے معلوم ہوا"

"ایک پولیس انسپکٹر تمہارے بارے میں معلومات کرنے ہوٹل میں آگیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد میرے پاس پہنچا تھا"

"تمہارے پاس" امر نے حیرت سے کہا "کیوں۔ وہ تمہارے پاس کیوں پہنچا تھا۔ اور اسے تمہارے بارے میں کیسے معلوم ہوا"؟

"دراصل سوالات کے دوران میں ہوٹل کے منیجر نے میرا بھی ذکر کر دیا اس لئے وہ میرے پاس بھی کچھ پوچھنے اور کچھ مشورہ دینے کیلئے پہنچ گیا تھا۔"

"مشورہ دینے" امر نے حیرت سے کہا۔

"ہاں" زیب نے جواب دیا۔

"کیا مشورہ دیا اس نے۔ اور کیا پوچھا"؟

"پوچھا تو یہ کہ کیا میں چترا کو جانتی ہوں۔ کیا کبھی اس سے ملی ہوں۔ کیا امر نے کبھی مجھ سے چترا کا ذکر کیا ہے۔ کیا حال ہی میں چترا کو اس نے بمبئی میں رکھا ہے۔"

"پھر تم نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے کہا ہاں! میں چترا کو جانتی ہوں۔ امر نے کئی بار مجھ سے اس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن نہ میں نے اسے کبھی دیکھا اور نہ کبھی وہ بمبئی آئی۔"

"اور مشورہ کیا دیا اس نے؟" امر نے پوچھا۔

"مشورہ اس نے یہ دیا کہ اگر تم امر سے محبت کرتی ہو تو تمہیں فوراً اس کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔"

"کیوں؟" امر نے بیچ میں بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اس لئے کہ اس کی نظر میں تم نہایت مکار اور فریبی مرد تھے۔ اس نے مجھے مشورہ دیا کہ امر چترا کی زندگی برباد کر چکا ہے اور اب تم پر ڈورے ڈال رہا ہے۔ ایک روز تمہیں بھی وہ گناہ کی دلدل میں پھنسا کر کسی اور لڑکی کی تلاش میں نکل جائے گا۔"

"خوب! کافی سمجھدار انسپکٹر معلوم ہوتا تھا۔"

"جی ہاں" دیپ نے کہا: "یہیں تک نہیں بلکہ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ شاید تم قاتل بھی ہو۔"

"قاتل!" امر بڑے زور سے چونکا۔

"ہاں!" دیپ نے جواب دیا۔ "اس کا یہی خیال ہے اور یہی لفظ اس نے تمہارے لئے استعمال کیا تھا۔"

"نہ کیوں"؟

"اس نے کہا تھا" دیپ نے جواب دیتے ہوئے کہا "پولیس کا نظریہ ہے کہ پہلے تم نے چترا کو اپنی محبت کے جال میں پھنسایا پھر اس کی عصمت لوٹ لی۔ اور جب اس کے پیٹ میں گناہ کلبلانے لگا تو تم اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

بعد میں کسی طرح سے چترا کے مجبور کرنے پر یا تم نے خود ہی کوئی تجویز سوچ کر اسے اغوا کر لیا اور اس سے چھٹکارا پانے کے لئے اسے قتل کر کے کہیں چھپا دیا۔

"یہ جھوٹ ہے۔ سب جھوٹ ہے" امر نے جوش میں اکھڑ کر کہا۔

"مجھے معلوم ہے" دیپ نے دھیمے لہجہ میں کہا "لیکن وہ لوگ تو یہی نظریہ قایم کئے ہوئے ہیں"

"کیسے احمق ہوتے ہیں یہ پولیس والے بھی" امر نے غصہ سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"یہ سب ٹھیک ہے" دیپ نے جواب دیا "لیکن اب یہ تو سوچو کہ اس مصیبت سے چھٹکارا کیسے ملے گا"

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں" امر نے کہا "پہلے میرا خیال تھا کہ یہ لوگ ہفتہ عشرہ مجھے بند رکھ کر خود ہی چھوڑ دیں گے۔ اس لئے میں نے اپنے لئے کسی وکیل کی ضرورت بھی محسوس نہ کی تھی۔ لیکن اب پتہ چلا کہ وہ کیسے منصوبے بنا رہے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ مجھے آسانی سے چھوڑنے والے نہیں"

"ہاں۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے" دیپ نے جواب دیا "جب تک

چترا کا پتہ نہ مل جائے "۔
لیکن سوال یہ ہے کہ چترا کو کہاں ڈھونڈا جائے۔ ہندوستان کی آبادی چالیس کروڑ ہے۔ ان میں چترا جیسی ایک لڑکی کو تلاش کرنا ناممکن ہے۔
زیب چند لمحوں تک سوچتی رہی پھر بولی۔
" تم دہلی کس تاریخ کو آئے تھے "؟
" چودہ مئی کو "۔
" اور چترا کا خط کس تاریخ کو آیا تھا "؟
" شاید چار مئی کو "۔
" ان دس دن کے دوران میں تم بمبئی میں ہی رہے "۔
" ہاں۔ بالکل "۔
" اور چترا کب سے غائب ہے "؟
" پولیس کا بیان ہے کہ وہ دس مئی سے غائب ہے "۔
" بس تو پھر معاملہ صاف ہے "، دیپ نے اطمینان کے بھرے لہجہ میں کہا۔
" وہ کیسے "؟
" ہم عدالت میں چترا کا وہ خط پیش کر دیں گے جو اس نے تمہیں لکھا تھا" زیب نے کہا۔" جس میں اس نے صاف لکھا ہے کہ وہ آج تک تمہیں فرشتہ سمجھتی آئی ہے۔ اور یہ کہ وہ جس بچہ کی ماں بننے والی ہے وہ تمہارا نہیں اجیت کا ہے "۔
" پھر اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ سوائے اس کے کہ اس غریب کی بدنامی ہو "۔

"اوہو۔ ابھی تک آپ کو اس غریب کی بد نامی کا خیال ہے؟"
دیپ نے جل کر کہا "اور یہ خیال نہیں کہ پولیس آپ کو ہی گنگا کے قتل کے جرم
میں پھانسی پر چڑھانے کے بارے میں غور کر رہی ہے۔"

"اچھا آگے کہئے"

"بس کہنا ہی کیا ہے" دیپ نے جواب دیا۔ "اس خط سے عدالت
سمجھ جائے گی کہ گنگا کتنی مکار تھی۔ گنگا انہیں بے وقوف بنا رہی تھی۔ اور اب
وہ تم سے روپیہ طلب کرنا چاہتی تھی۔ تم وہ خط پیش کرنے کے بعد اصل
حالات بیان کر دو گے کہ خط پا کر میں اٹھائیس تاریخ تک اسی کشمکش میں
رہا کہ دہلی جاؤں یا نہ جاؤں۔ آخر گنگا کی ہار کے خیال سے میں نے یہ
آخری قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا اور دس روز بعد میں دہلی پہنچ گیا
لیکن یہاں آتے ہی مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ گنگا اس
دوران میں کہاں گئی۔ میں خود اس عرصہ میں بمبئی رہا ہوں"

امر نے دیپ کی بات درمیان میں کاٹتے ہوئے کہا۔

"کیا وہ اس بات کا یقین کر لیں گے؟"

"کیوں نہیں۔ یقین نہیں کریں گے تو جوہو کے منیجر اور بیرا لال کو لا کر
گواہ پیش کر دیں گے کہ ہاں اس دوران میں تم بمبئی میں رہے ہو۔"

"لیکن دیپ تم بھول رہی ہو۔ پولیس یہ اعتراض اٹھا سکتی ہے کہ
ٹھیک ہے تم بمبئی میں رہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ گنگا اس دوران
میں خود تمہارے پاس آگئی ہو اور تم نے اسے کہیں چھپا دیا ہو یا قتل کر
دیا ہو؟"

"یہ کہہ سکتی ہے" دیپ نے کہا "لیکن وہ مدعا کے قتل کیا پیش

مگر یہ آگئے"

"انتقام" امر نے کہا۔

"کیا مطلب"؟

"مطلب یہ کہ پولیس والے اس خط کو دیکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ چترا نے میری محبت کو ٹھکرا دیا تھا اس لئے میرے دل میں اس کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اور جب چترا نے مجھ سے مدد مانگی تھی جب وہ میری مدد کے بھروسہ پر بمبئی پہنچ گئی تو میں نے اسے جوش حسد میں قتل کر دیا"

"نہیں" دیپ نے کہا "یہ ناممکن ہے۔ اگر دنیا سے انصاف بالکل ہی ختم نہیں ہو گیا تو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ عدالت میں اس قدر اندھیر نہیں ہو سکتا"

دیپ کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ وہی سپاہی اندر داخل ہوا جو امر کو ساتھ لایا تھا اور بولا۔

"چلو ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہے"

"اچھا" امر نے مایوسی سے کہا۔

دیپ نے اٹھ کر امر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بولی۔

"امر گھبرانا نہیں۔ میں ابھی جا کر کسی اچھے سے بیرسٹر سے مشورہ کرتی ہوں مجھے یقین ہے کہ بہت جلد تم رہا کر دیئے جاؤ گے"

"نہیں دیپ۔ مجھے کسی بات کا خوف نہیں" امر نے جواب دیا

میرا دل صاف ہے اس لئے میں مطمئن ہوں۔"

"اچھا خدا حافظ" زیب نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"خدا حافظ" امر نے جواب دیا۔

اور زیب فکر و تشویش کی اُلجھنوں میں گرفتار آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے رخصت ہو گئی۔

سولھواں باب

دوسرے روز ڈیپ نے جاکر ایک بیرسٹر سے مشورہ کیا اور تمام حالات پوری تفصیل کے ساتھ اُسے بتا دیئے۔ وکیل نے سارے حالات سننے کے بعد ڈیپ کو تسلی دی اور کہا۔

"آپ فکرمند نہ ہوں۔ حالات آپ کے موافق ہیں۔ اگرچہ مسٹر امر نے جس اندیشہ کا آپ سے ذکر کیا تھا وہ کسی حد تک درست ہے۔ یعنی اگر جنرل کا پتہ نہ چلا تو اس خط کے پیش کیے جانے کے باوجود پولیس یہ الزام لگا سکتی ہے کہ امر نے جوشِ رقابت اور انتقام میں اُسے قتل کر دیا ہے"

"پھر کیا کیا جائے"

"اپنی سی تدبیر کوشش کی جائے گی" وکیل نے جواب دیا "مشکل صرف یہ ہے کہ لڑکی کا باپ بارسوخ آدمی ہے۔ خود سیشن [illegible] ڈسٹرکٹ ججوں پر بھی اس کا اثر ہے اس لیے ممکن ہے اس مقدمہ کو

سننے والا جج چترا کے باپ سے ہمدردی رکھتا ہو۔ اگر ایسی صورت پیش آگئی تو معاملہ نازک صورت اختیار کر جائے گا۔ ظاہر ہے کہ چترا کے باپ کو اپنی بیٹی کی عزت جانے اور پھر اس کے غائب ہو جانے کا سخت رنج ہوگا۔ اور وہ ام کو سزا دلانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گا۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ اب کیا کیا جائے"

"کاش کسی طرح پتہ چل سکتا ہے کہ چترا کہاں ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس نے خودکشی نہ کر لی ہو۔"

"میرے خیال میں اتنی باغیرت لڑکی تو وہ نہیں ہے"

"باغیرت نہ سہی۔ ان حالات میں عموماً لڑکیاں خودکشی کر لیتی ہیں"

"کیوں نہ اخبار میں ایک اشتہار دیا جائے۔ شاید کچھ پتہ لگ جائے"

"اس کا ہمیں اختیار نہیں" وکیل نے جواب دیا "اس کا باپ اشتہار دے سکتا ہے"

"ہمیں کیوں اختیار نہیں"

"اس لئے کہ اس میں لڑکی کے باپ اور اس کے خاندان کی عزت کا سوال ہے اشتہار دینے کے معنی یہ ہیں کہ اب جو واقعات صرف چند اشخاص کو معلوم ہیں پھر وہ لاکھوں لوگوں کو معلوم ہو جائیں گے۔ اور جج صاحب کا گھرانا بدنام ہو جائیگا۔ اگر ہم نے ایسا اشتہار چھپوا دیا تو جج صاحب ہم پر عزت ہتک کا دعویٰ کر کے سزا دلا سکتے ہیں۔

"پھر آپ ہی بتایئے کیا صورت اختیار کی جائے؟"

وکیل کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

"کیا جج صاحب کے خاندان کے لوگ تم سے واقف ہیں؟"

"نہیں"

"تو پھر تمہیں تھوڑی سی جاسوسی کرنی پڑے گی"

"میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ آپ بتائیں تو سہی"

"سنئے۔ وکیل نے پُر خیالی انداز سے کہا: "آپ آج یا کل جج صاحب کے گھر جا بیٹھئے اور خود کو جزا کی سہیلی بتایئے اور ان لوگوں کی باتوں سے معلوم کیجئے کہ اصل حالات کیا ہیں۔ ان لوگوں کے کیا ارادے ہیں۔ جزا کے غائب ہونے سے پہلے کیا جزا نے کسی ملازم یا ملازمہ سے کچھ کہا تھا۔ کوئی ایسی بات جو اس کی تلاش میں معاون ثابت ہو سکے۔ غرض مختصر یہ ہے کہ آپ اپنی سمجھ اور حالات کے مطابق جتنی زیادہ سے زیادہ معلومات کر سکتی ہیں وہ کریں۔ ہو سکتا ہے کوئی بہتر سراغ لگ جائے اور ہم جزا کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں"

"اچھا" دیپ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: "میں جا کر کوشش کروں گی"

"بس تو پھر کل جب آپ کوشش کے بعد آئیں گی۔ آئندہ کیلئے کوئی تجویز اسی وقت سوچیں گے"

"بہت اچھا" دیپ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اسی وقت جزا کے ہاں جاتی ہوں۔ کل اسی وقت آ کر آپ کو خبر دوں گی"

"کیا آپ چترا کا پتہ جانتی ہیں؟"

"ہاں" دیپا نے جواب دیا "اس نے خط میں لکھا تھا"

"لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ ان سے کیا کہیں گی؟"

"میں" دیپ چند لمحوں تک سوچتی رہی۔ پھر بولی "ٹھیک ہے! میں ان سے کہوں گی کہ میں چترا کی کلاس فیلو تھی۔ اور دو سال پیشتر اپنے والد کا تبادلہ ہونے کے باعث دہلی سے کلکتہ چلی گئی تھی۔

ابھی ایک ماہ پیشتر مجھے چترا نے بلانے کے لئے خط لکھا تھا اس وقت تو میں آنہ سکی اب کالج کی چھٹیاں تھیں اس لئے آگئی ہوں"

"ترکیب تو اچھی ہے" وکیل نے تعریفی لہجہ میں کہا "لیکن اگر انہوں نے وہ خط مانگا جو چترا نے تمہیں بلانے کو لکھا تھا؟"

"تو میں کہہ دوں گی کہ خط میں گھر چھوڑ آئی ہوں۔ کیا ضروری تھا کہ میں وہ خط بھی اپنے ساتھ لے کر چلتی"

"تجویز نہایت ہی مناسب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس طرح ضرور کوئی مفید مطلب سراغ حاصل کریں گی"

"اچھا تو خدا حافظ۔ بھگوان آپ کو اپنی کوشش میں کامیاب کرے"

دیپ وکیل سے رخصت ہو کر سیدھی ہوٹل میں پہنچی جہاں وہ دہلی آکر ٹھہری تھی۔ وہاں سے اپنا اٹاچی کیس اٹھا کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چترا کی کوٹھی کی جانب روانہ ہو گئی۔

کار کی آواز سنکر اندر کوٹھی میں سے ایک نوکر دوڑا ہوا آیا۔ اور ایک نوجوان لڑکی کو دیکھ کر ادب سے نمستے کر کے بولا۔

"اندر آجایئے بی بی جی"

"کیا چترا ہے اندر" زیب نے نہایت بے تکلفانہ لہجہ میں کہا۔

چترا کا نام سنکر ملازم کا چہرہ اتر گیا۔ ایک لمحے کے لئے خاموش رہ کر اس نے کہا۔

"مجھے تو کچھ نہیں معلوم" "آپ بڑی بی بی سے مل لیجئے"

"اچھا چلو" زیب نے کہا۔

ملازم نے اٹاچی اس کے ہاتھ سے لے لی اور آگے آگے چل پڑا۔ زیب اس کے ساتھ ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

کمرہ میں چترا کی ماں بیٹھی ہوئی کچھ بن رہی تھی۔ بیٹی کی جدائی اور خاندان کی بدنامی کے باعث اس کا چہرا اترا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مہینوں کی بیمار ہو۔ چترا نے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے نمستے بولے ہی کہی چترا کی ماں نے نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور صوفے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"آؤ بیٹی بیٹھو"

زیب بیٹھ گئی تو چترا کی ماں نے پوچھا۔

"کہیں باہر سے آئی ہو"

"جی ہاں۔ میں کلکتے سے آرہی ہوں۔ لیکن چترا کہاں ہے"

چترا کا ذکر سنکر اس کی ماں کے چہرے پر سیاہی سی دوڑ گئی۔ اس نے کہا۔

"چترا ذرا باہر گئی ہے۔ تمہارا کیا نام ہے؟"

"مجھے دیپ کہتے ہیں۔ چترا نے کوئی ایک ماہ ہوا مجھے بلانے کیلئے خط لکھا تھا اس وقت تو فرصت نہ مل سکی۔ آج کل فرصت تھی اس لئے میں نے سوچا ذرا ہو آؤں۔"

"حیرت ہے!" چترا کی ماں نے کہا "اس نے کبھی تمہارا ذکر نہیں کیا۔"

"دراصل میں ایک ڈیڑھ سال ہوا دہلی سے کلکتہ چلا گیا تھا۔ یہاں کالج میں وہ اور ہم ساتھ پڑھتے تھے لیکن کیا اس کے جلد آنے کی کوئی امید نہیں ہے؟"

چترا کی ماں نے ایک لمبا ٹھنڈا سانس بھرا اور آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے بولی۔

"اب تم سے کیا چھپاؤں بیٹا۔ دراصل یہ ہے کہ چترا ہم سے ناراض ہو کر کہیں چلی گئی ہے۔"

یہ بات سن کر دیپ بناوٹی طور پر اس طرح چونکا جیسے اسے چترا کے غائب ہونے کی آج ہی خبر ملی ہو۔ اس نے کسی قدر حیرت سے کہا:

"ناراض ہو کر چلی گئی۔ لیکن کہاں؟"

"یہی تو پتہ نہیں۔"

"یہ تو بڑی افسوسناک خبر ہے۔ اس کی طبیعت میں غصہ تو ضرور تھا لیکن مجھے یہ خیال تک نہ ہو سکتا تھا کہ وہ والدین سے خفا ہو کر چلی جائے گی۔ افسوس میرا اتنا لمبا سفر بھی بیکار ہوا۔"

"کیا تم آج ہی کلکتہ سے آئی ہو؟"

"جی ہاں۔ ابھی وقت اسٹیشن سے آ رہی ہوں۔ اور اب ٹھہرانا نہیں ہے تو اسی وقت واپس چلی جاؤں گی۔"

"نہیں نہیں۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ آئی ہو تو ایک دو روز ٹھہرو۔"

دیپا نے ادھورے دل سے ٹھہرنے کو انکار کیا آخر تھوڑی سی رد و قدح کے بعد مان گئی۔ چترا کی ماں نے چترا والا کمرہ اس کے لئے کھلوا دیا اور اسے نہا دھو کر لباس تبدیل کرنے کے لئے چترا کے کمرہ میں چھوڑ کر ملازم کو کھانے وغیرہ کی ہدایت دینے چلی گئی۔

رات کو کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر دیپا نے ملازموں سے کچھ معلومات کرنے کی کوشش کی بڑی ہوشیاری سے۔ اس نے ادھر اُدھر کی باتوں کے ذریعہ جو معلومات بہم پہنچائیں وہ یہ تھیں کہ گھر سے جانے سے دس گیارہ روز پیشتر اس نے بمبئی میں کسی کو خط لکھا تھا۔ خط بھیجنے کے بعد وہ بڑی پریشان سی رہی اور آخر کوئی ایک ہفتہ بعد وہ ایک دن اچانک غائب ہو گئی۔ جس صبح کو وہ غائب ہوئی اسی رات کو ایک ملازم نے اسے خط لکھتے ہوئے دیکھا۔ خط لکھ کر اس نے لفافہ میں بند کیا اور ملازم کو بلایا۔ غالباً وہ لفافہ لیٹر بکس میں ڈالنے کے لئے ہی اس نے ملازم کو بلایا تھا۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر وہ رک گئی۔ اور اس نے کوئی کام بتائے بغیر ملازم کو واپس کر دیا۔ اس بات پر کوئی روشنی نہ پڑ سکی کہ چترا نے گھر سے رخصت ہونے سے پہلے وہ خط کسے لکھا تھا۔ اور کیوں پھر بعد میں اسے ڈاک میں نہ ڈلوایا۔

چترا کی ماں اور ملازموں نے اب تک اصل بات دیپ سے چھپائی تھی اور صرف یہی ظاہر کیا تھا کہ وہ ماں باپ سے خفا ہو کر گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔

رات کو دیپ چترا کے کمرے میں سوئی۔ لیکن بستر پہ لیٹنے کے بعد اُسے نیند نہ آسکی گیارہ بارہ بجے تک جب وہ کروٹیں بدلتی رہی تو یکایک اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اس نے سوچا اس وقت میں چترا کے کمرے میں تنہا ہوں گھر والے سب سو چکے ہیں۔ اگر اس وقت اس پورے کمرے کی تلاشی لی جائے تو ممکن ہے کوئی ایسا ثبوت مل جائے جو امر کی برّیت کے لئے مفید ثابت ہو۔ ممکن ہے چترا غلطی سے کوئی ایسی یادداشت چھوڑ گئی ہو جس سے اُس کا کچھ پتہ چل سکے

یہ سوچ کر وہ فوراً بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سب سے پہلے اس نے کمرے کا دروازہ اندر سے اچھی طرح بند کیا۔ اس کے بعد بجلی روشن کر کے اس نے کمرہ کی تلاشی لینی شروع کر دی۔

کمرے کے ایک کونے میں سنگھار میز رکھا ہوا تھا۔ اور دوسری جانب چترا کے لکھنے پڑھنے کی میز تھی۔ دیپ نے سرسری طور پہ سنگھار میز کو ٹٹول کر لکھنے والی میز کی درازیں دیکھنا شروع کیں۔ لیکن کوئی بھی ایسی چیز نہ مل سکی جو اسکے مفید مطلب ہوتی۔

کپڑوں کی الماریاں، کارنس، صندوق غرض ہر چیز ڈھونڈ ماری لیکن کچھ نہ مل سکا مایوسی کے ساتھ وہ پھر بستر پہ آ بیٹھی۔ بیٹھے بیٹھے اس نے پھر ایک بار کمرے کا جائزہ لیا۔ یکایک اس کا خیال کتابوں کی الماریوں کی جانب گیا۔ وہ پھر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور کتابوں کی

الماری کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ الماری کا ایک حصہ گرد آلودہ تھا جس سے اس نے اندازہ لگایا کہ اس طرف کی کتابیں کافی عرصے سے اپنی جگہ سے نہیں اُٹھائی گئی ہیں۔ دوسری جانب کی کتابوں کی ترتیب میں کچھ گڑبڑ تھی۔ اس لیے اس نے اسی جانب کی کتابوں کو دیکھنا شروع کیا۔

تین چار کتابیں الٹ پلٹ کرنے کے بعد ایک لمبی سی کتاب اس نے اٹھائی کتاب انگریزی کی تھی۔ اور غالباً طب سے تعلق رکھتی تھی۔ کیونکہ اس کا نام تھا "حاملہ عورتوں کی مشکلات" دیپ نے سوچا یقیناً چترا اس کتاب کا مطالعہ کر رہی ہو گی شاید خفیہ طور پر اپنے گناہ کی نشانی کو ختم کرنا چاہتی تھا اس نے یوں ہی سرسری طور پر کتاب کو کھول کر دیکھا تو ایک کاغذ نکل کر نیچے گر پڑا۔ دیپ نے تہہ کیا ہوا کاغذ اٹھا کر دیکھا تو وہ خط تھا۔ دیپ کا دل خوشی سے دھڑکنے لگا اس نے جلدی سے کتاب الماری میں رکھ دی اور خط کھول کر پڑھا۔ اسمیں لکھا تھا۔

امر . . .

اس سے پیشتر ایک خط لکھ چکی ہوں۔ لیکن تم نے جواب تک نہیں دیا۔ مجھے یقین تھا کہ تم میری بے وفائی کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہو لیکن یہ امید بالکل نہیں تھی کہ تم بھی اس مشکل کے وقت میرا ساتھ نہ دوگے۔ خیر اس کا مجھے تم سے گلہ نہیں ہے شکایت صرف اپنی قسمت سے ہے یا خود سے ہے۔ کیونکہ یہ تباہی اور بربادی خود میرے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے۔ کاش میں تمہاری بے لوث محبت کی قدر کر سکتی۔ کاش میں اجیت کی مکاری اور فریب کاری کو پہچان

سکتی۔

بہر حال اب سنو! میرے والدین کو میرے گناہ کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا لیکن میں شرم کی وجہ سے اجنبی کا نام نہ بتا سکی۔ انہوں نے خفیہ طور پر معلومات کیں تو انہیں پتہ چلا کہ میرے تعلقات تم سے تھے۔ میں تم سے اکثر ملا کرتی تھی۔ چنانچہ ان معلومات کی روشنی میں انہوں نے اندازہ لگایا کہ یہ گناہ تمہارا ہے۔ اس پر وہ لوگ بہت برانگیختہ ہوئے۔ اور انہوں نے تجویز کی تمہیں زبردستی یا خوشامد سے دہلی بلا کر میری شادی تم سے کر دی جائے پہلے میں نے بھی سوچ کر لکھا تھا کہ تم آجاؤ گے اور دنیا کے دکھانے کے لئے مجھے اپنا لو گے تو میں اس گناہ کی شرمندگی سے بچ جاؤں گی۔ لیکن جب تم نے میرے خط کا جواب تک نہ دیا تو میں نے سمجھا کے کہ تم یہ ناپسند کرتے ہو تمہاری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ ایک ایسی لڑکی کو جیون ساتھی بناؤ جو اپنی عصمت کھو چکی ہے۔ تم دوسرے کے گناہ کو اپنے سر لینے کو تیار نہیں ہو۔ اس لئے والدین کی اس تجویز کی میں نے مخالفت کی۔ تمہیں اس قدر فریب دے کر اب میں بالکل نہیں چاہتی کہ تمہیں زبردستی شادی پر مجبور کروں۔ قصور میرا ہے تو اس کی سزا تم کیوں بھگتو۔ میں نے محسوس کیا کہ اس حالت میں تم میرے ساتھ خوش نہیں رہ سکتے۔ میرا گناہ ہمیشہ تمہاری روح کو انگاروں سے داغتا رہے گا۔

لیکن میں یہ نہیں چاہتی ۔ میں پہلے ہی تمہیں بہت تکلیفیں پہنچا چکی ہوں ۔ چنانچہ والدین کی اس تجویز کی مخالفت میں اور اپنے پرایوں کی نظر سے چھپانے کے لئے میں اپنا گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں ۔

کہاں جا رہی ہوں ؟ یہ مجھے خود معلوم نہیں ۔ شاید اب تم مجھے کبھی نہ دیکھ سکو ۔ کتنا اچھا ہو اگر میری یہ منحوس زندگی ختم ہو جائے ۔ تاکہ میں کسی کے سامنے شرمندہ ہونے کی مصیبت سے بچ جاؤں ۔

آخر میں صرف اتنا کہوں گی کہ میں نے جو کچھ تمہیں تکلیفیں پہنچائی ہیں ان کے لئے مجھے معاف کر دینا ۔ میں نے اگرچہ پہلے کبھی تمہاری صحیح قیمت نہیں سمجھی لیکن آج میں تمہارے خلوص اور محبت کی قیمت کو اچھی طرح جان گئی ہوں ۔ اور اپنی بد قسمتی پر نالاں ہوں کہ میں نے تمہیں پا کر کھو دیا ۔

صرف اتنی سی گزارش اور ہے کہ اگر کبھی مجھ بد نصیب کی یاد آئے تو مجھے بُرے الفاظ سے یاد نہ کرنا ۔ ورنہ میری آتما یونہی بھٹکتی رہے گی ۔

تمہاری بد نصیب

چنترا ۔

خط پڑھتے پڑھتے دیپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ۔ وہ اگرچہ چنترا کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن ایک عورت کی مجبوری اور تباہی کی داستان پڑھ کر اس کے اندر کی عورت جاگ اٹھی اور اس کا جی

چاہا کاش جنزا اُسے کہیں زندہ مل جائے تو وہ اپنی محبت قربان کرے گی اور امر کو مجبور کرے گی کہ وہ جنزا سے شادی کر لے۔

اُسے فطرت پر غصہ آ رہا تھا جس نے عورت کو اس قدر مجبور بنایا تھا۔ مرد خواہ کتنے ہی گناہ کرے اس پر اثر بھی نہیں ہوتا اور عورت اگر فریب یا غلطی سے ایک بھی گناہ کر لے تو اس کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔ فطرت نے عورت کو اس قدر مظلوم بنایا ہے۔

بہت دیر تک وہ خط ہاتھ میں لئے اسی جگہ کھڑی ہوئی سوچتی رہی۔ آخر جب کمرہ میں لگی ہوئی گھڑی نے ایک کا گھنٹہ بجایا تو وہ چونکی اور خط کو آہستہ سے بلاؤز میں چھپا کر بستر پر آکر لیٹ گئی۔

اب وہ مطمئن تھی۔ کم از کم اُسے امر کی بے گناہی کا ایک ٹھوس ثبوت مل گیا تھا۔ جنزا کی اس تحریر کی روشنی میں کوئی بھی امر پر جنزا کو اغوا کرنے یا اُسے قتل کرنے کا الزام نہیں لگا سکتا تھا۔

خط کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ جنزا نے یہ خط امر کو بھیجنے کے لئے لکھا ہوگا۔ لیکن پھر کسی مصلحت سے اسے پوسٹ نہ کیا ہوگا یا اپنی پریشانیوں میں اسے کتاب میں رکھ کر بھول گئی ہوگی۔

اب چونکہ دل کو کچھ سکون ہو گیا تھا۔ اس لئے بستر پر لیٹتے ہی اُسے نیند آ گئی۔

صبح کو ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے جنزا کی ماں کے سامنے ایک ملازم سے کہا۔

"بھیا ذرا یہ تو معلوم کر دینا کہ کلکتہ گاڑی کس وقت جاتی ہے۔"

"کیوں؟" چترا کی ماں نے پوچھا۔

"بس آج ہی واپس جاؤں گی۔ جس کے لئے آئی تھی وہی گھر چھوڑ کر چلی گئی تو اب دہلی میں کیا دلچسپی رہ گئی ہے۔"

چترا کی ماں نے ایک لمبا سا ٹھنڈا سانس بھرا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

"ہاں بیٹی تم ٹھیک کہتی ہو۔ چترا نے ہمیں جیتے جی مار دیا ہے۔"

"لیکن کیا آپ نے چترا کو ہر جگہ تلاش کر لیا ہے؟"

"ہاں جہاں جہاں ممکن تھا تلاش کر لیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہ کسی رشتہ دار کے ہاں چلی گئی ہوں۔"

"تمام رشتہ داروں کو تار دیئے جا چکے ہیں لیکن سب جگہ سے انکار [illegible] جواب ملا۔"

"[illegible]آپ اخبار میں اشتہار کیوں نہیں دے دیتیں۔" دیپ نے تجویز پیش کی۔

"اخبار میں اشتہار اس لئے نہیں دیا کہ جو کچھ رہی سہی عزت باقی ہے وہ بھی سب ختم ہو جائے گی آج تو صرف چند لوگ جانتے ہیں اشتہار چھپنے کے بعد ساری دنیا جان جائے گی کہ جج صاحب کی بیٹی بھاگ گئی ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں کوئی کچھ سمجھے گا اور کوئی کچھ۔"

"کاش میں چند روز پہلے آجاتی۔" دیپ نے بھی ایک ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "تو یقیناً میں اُسے جانے سے روک لیتی۔"

چترا کی ماں نے پھر ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور ایک لمحہ خاموش رہ کر بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم ایسے وقت آئیں جب تمہاری کچھ خاطر داری بھی نہ ہو سکی"

"نہیں نہیں ایسا نہ کہئے" دیپ نے جلدی سے کہا "آپ جس محبت اور خلوص سے پیش آئی ہیں وہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ افسوس مجھے ہے کہ میں ایسے وقت آئی جب آپ اپنے دکھوں میں الجھی ہوئی تھیں"

اسی وقت وہ ملازم آگیا جو کلکتہ کی گاڑی کے بارے میں اسٹیشن کو ٹیلیفون کر کے معلومات کرنے گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"بی بی جی، ایک گاڑی تو گیارہ بجے جائے گی۔ اور دوسری گاڑی شام کے چھ بجے"

"بس تو میں اسی گیارہ والی گاڑی سے چلی جاؤں" دیپ نے چترا کی ماں سے کہا۔

"اتنی جلدی جانے کی کیا ضرورت ہے بیٹی۔ شام کو چلی جانا"

"نہیں بس شکریہ۔ جب جانا ہی ہے تو اب کیا اور شام کیا۔ آپ کی عنایت اور شفقت کے لئے میں بہت مشکور ہوں"

چترا کی ماں اُسے جانے کے لئے بضد دیکھ کر خاموش ہو گئی۔ اور دیپ اپنے کپڑے اور اٹاچی کیس درست کرنے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے وہ جج صاحب کی کار میں اسٹیشن پہونچ گئی۔ ملازم جو اسٹیشن تک چھوڑنے آیا اُسے اس نے پلیٹ فارم ہی باہر ہی رخصت کر دیا۔ اور جب جج صاحب کی گاڑی واپس

پہ چلی گئی۔ تو اس نے پھر ٹیکسی کی اور سیدھی واپس اس ہوٹل میں
پہونچ گئی جس میں وہ ٹھہری ہوئی تھی ۔

سترھواں باب

ہوٹل میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد دیپ وکیل کے [illegible] پہنچی۔
"آیئے، تشریف لائیے" وکیل نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔ [illegible] نے تازہ
کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی تو وکیل نے اس کے چہرے پر نظریں
جماتے ہوئے کہا۔
"معلوم ہوتا ہے ضرور آپ کو کوئی کارآمد بات معلوم ہو گئی ہے۔"
"آپ نے کیسے جانا؟" دیپ نے ذرا شوخی سے پوچھا۔
"آپ کا مسرور چہرا آپ کے دل کا حال بتا رہا ہے۔"
"اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو اپنے موکلوں کے چہرے پڑھنے
میں خاص ملکہ ہے۔"
"کیا کیا جائے" وکیل نے ہنس کر کہا۔ "کاروبار ہی ایسا ہے۔"
"اچھا تو فرمائیے آپ کی کوششوں کا نتیجہ کیا رہا؟"
"امید سے بہت زیادہ" دیپ نے جواب دیا۔ اور جیب سے

جیزا کا خط نکال کر وکیل کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے بولی۔

" اسے ملاحظہ فرمایئے "

وکیل نے خط اٹھا کر پڑھا۔ اور پورا خط پڑھنے کے بعد کہا۔

" اب تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ یہ تو آپ کمال کی چیز حاصل کر لائی ہیں لیکن کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ تحریر جیزا کی ہی ہے؟"

" جی ہاں " دیپ نے جواب دیا " آپ جیزا کے اس پہلے خط کی تحریر سے اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں "

یہ کہہ کر اس نے جیزا کا وہ خط بھی وکیل کو دے دیا جو وہ بمبئی سے اپنے ساتھ لائی تھی۔ وکیل نے دونوں خطوں کی تحریروں کو ملا کر دیکھا اور [illegible] دیپ کو واپس کرتے ہوئے بولا۔

" تب تو اب فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ دونوں خط آپ اپنے پاس حفاظت سے رکھ لیں۔ امید ہے پہلی پیشی پر ہی مسٹر امر بری کر دیئے جائیں گے "

" امر کی جانب سے تو اب مجھے کوئی غم نہیں رہا " دیپ نے کہا " لیکن ایک اور فکر سوار ہو گئی ہے "

" وہ کیا؟ "

" وہ یہ کہ میں نے جیزا کی ماں سے کہا تھا کہ میں کلکتہ سے آئی ہوں اور ان کے ظاہر میں میں کلکتہ روانہ ہو چکی ہوں۔ یعنی دوسرے دن خود اپنی کار میں انہوں نے مجھے اسٹیشن پہنچوا دیا تھا۔ اب اگر کہیں جگا سنگھ نے مجھے دیکھ لیا تو بڑی مشکل پیش آئے گی "

"اوہ اس کا آپ فکر نہ کریں۔" وکیل نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دہلی بڑی گنجان جگہ ہے یہاں لوگ ایک محلہ اور ایک بلڈنگ میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کو مہینوں نہیں دیکھ پاتے۔"

"لیکن بالفرض انہوں نے کہیں دیکھ لیا اور مجھ سے پوچھا تو کیا کہوں گی۔"

"واہ یہ بھی کوئی مشکل بات ہے۔ آپ فوراً کہہ دیں کہ میں نے تو کلکتہ جانے کے لئے ٹکٹ تک لے لیا تھا۔ اچانک ایک اور سہیلی مل گئی اور وہ مجھے زبردستی اپنے گھر لے گئی۔"

"خوب۔" زیب نے ہنس کر کہا۔ "وکیل صاحب جھوٹ بولنے اور بہانے تراشنے میں تو آپ ماہر معلوم ہوتے ہیں۔"

"پیشہ ہی ایسا ہے۔" وکیل نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن آپ نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ امر کے مقدمہ میں اگر وہ بھی عدالت میں آئیں اور انہوں نے مجھے امر کی شہادت میں خطوط پیش کرتے ہوئے دیکھا تو میں ان سے کیا کہوں گی۔"

"بس یہی کہنا تھا۔ وہ اگر عقلمند ہوئیں تو خود ہی سمجھ لیں گی کہ تم نے جھوٹی سہیلی ہونے کا محض بہانہ کیا تھا۔ ورنہ تم اصل میں امر کی طرفدار ہو لیکن مجھے امید ہے کہ وہ عدالت میں آئیں گی نہیں۔"

"اچھا ہے نہ آئیں تو۔" زیب نے ہنس کر کہا۔ "ورنہ مجھے بڑی شرمندگی ہوگی۔" یہ کہہ کر زیب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا وکیل صاحب اب میں چلتی ہوں۔"

"بہت اچھا اس دوران میں اگر کوئی خاص بات ہوئی تو میں آپ کو ہوٹل کے پتہ پر مطلع کر دوں گا۔"

دیپ جانے کے لئے مڑی۔ لیکن پھر ایک قدم چل کر رک گئی۔ اور بولی
"ہاں، وکیل صاحب مجھے یاد آیا۔" کیا یہ ممکن نہیں کہ امر کو ضمانت پر
رہا کرا دیا جائے؟"

"ممکن تو ہے۔ لیکن چونکہ ابھی پولیس نے تحقیقات مکمل کرنے کے
لئے عدالت سے ریمانڈ لے رکھا ہے اس لئے پہلی پیشی کے بعد ہی
ضمانت ممکن ہو سکتی ہے۔ اور مجھے اُمید ہے کہ پہلی پیشی کے بعد ضمانت
کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔"

"تو اتنے دن امر کو مفت میں حوالات کی مصیبتیں برداشت کرنی
پڑیں گی؟"

"نہیں ایک رعائت ان کے لئے ہو سکتی ہے۔" وکیل نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"آپ چاہیں تو درخواست دیکر حوالات میں ان کے لئے عمدہ بستر اور
کھانے وغیرہ کا بندوبست کر سکتی ہیں۔"

"تو یہی کرا دیجئے۔"

"بہت بہتر، میں آج شام کو اس کا بندوبست کرا دوں گا۔"

"شکریہ۔" دیپ نے کہا۔ "پھر میں شام کو آپ سے آکر ملوں۔"

"جی ہاں۔"

"بہت اچھا۔ آداب عرض۔"

دیپ نے کہا۔ اور رخصت ہو گئی۔

اسی روز شام کو امر کے لئے بستر اور کپڑوں کا بندوبست کر دیا
گیا اور کھانے کے لئے رعائت مل گئی۔

اس کے ٹھیک آٹھویں روز عدالت میں پیشی تھی۔

پیشی کے روز مقدمہ شروع ہونے کی رسمی کارروائی کے بعد امر کے وکیل نے کہا۔

"مائی لارڈ اگر اجازت دیں تو میں معاملہ کو اُلجھنے سے بچانے کیلئے کچھ تحریری ثبوت اس قسم کے پیش کرسکتا ہوں جن کی موجودگی میں معاملہ بالکل صاف ہو جائے گا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ان ثبوتوں کی موجودگی میں میرا موکل بالکل بے گناہ ہے اور کوئی فیصلہ یا ضمانت ہونے تک جوان کی جس قدر تکلیفیں میرے موکل کو پہنچیں وہ سب خواہ مخواہ کی ہیں۔"

جج صاحب نے سرکاری وکیل کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور جب اس نے کوئی اعتراض نہ کیا تو جج صاحب نے جواب دیا۔

"آپ وہ تحریری ثبوت پیش کرسکتے ہیں۔"

"چترا کے والد بھی عدالت میں ایک گواہ یا مدعی کی حیثیت سے موجود تھے۔

امر کے وکیل نے بریف سے وہ دونوں خطوط لئے اور جج صاحب کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"مائی لارڈ آپ ان دونوں خطوط کو ملاحظہ فرمائیں اور اس کے بعد چترا دیوی کے والد صاحب موجود ہیں ان سے پوچھ لیں کہ کیا یہ تحریر مس چترا ہی کی ہے اگر یہ دونوں خطوط مس چترا کے لکھے ہوئے ہیں تو اس کے بعد یقین ہے کہ معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔"

جج صاحب نے دونوں خطوط لے لیے انہیں خاموشی سے پڑھا۔ چترا کے پتا بہت مغموم سے سر جھکائے بیٹھے تھے لیکن جب خطوطوں کا ذکر آیا تو انہوں نے حیرت سے سر اُٹھا کر دیکھا۔ دیپ ان کے آنے کے بعد خاموشی سے ایک کونے میں بیٹھ گئی تھی اب جس وقت انہوں نے عدالت میں دیپ کو وہ خطوط ظاہر کے وکیل کو دیتے ہوئے دیکھا تو ان کی حیرت اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ کیونکہ ایک ہفتہ پیشتر وہ دیپ کو اپنی کوٹھی میں چترا کی ایک سہیلی کی حیثیت سے دیکھ چکے۔

وہ حیران و پریشان کبھی دیپ کو دیکھتے تھے اور کبھی جج صاحب کو ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ کس قسم کے خطوط ہیں [illegible]

[illegible] خط پڑھنے کے بعد حاکم عدالت کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہو گئے۔ اور چونکہ ان سے چترا کے والد جج صاحب کے تعلقات تھے اس لیے انہوں نے کہا۔

"میں اس بارے میں کچھ دیر تنہائی میں غور کرنا چاہتا ہوں"

یہ کہہ کر انہوں نے عارضی طور پر مقدمہ کی کارروائی ملتوی کر دی اور دوسرے کمرہ میں چلے گئے۔ چترا کے دونوں خط بھی وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ جج صاحب کے جانے کے چند منٹ بعد ہی چپراسی چترا کے والد کو بھی بلا کر لے گیا۔

چند دو تین منٹ کے وقفہ کے بعد حاکم عدالت باہر آ گئے اور مقدمہ کی کارروائی دوبارہ شروع کرتے ہوئے بولے۔

وہ میں نے چترا کے پتا کو دونوں خط دکھائے تھے وہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ

دونوں خط چترا کے تحریر کردہ ہیں۔ وہ اسکی تحریر پہچانتے ہیں۔ چنانچہ ان خطوط کی موجودگی میں نوجوان امر بالکل بے گناہ ثابت ہو جاتا ہے اس لئے میں امر کو باعزت بری کرتا ہوں۔ اور مقدمہ خارج کیا جاتا ہے۔"

فیصلہ سن کر امر اور دیپ کے چہروں پر خوشی کی لہریں دوڑ گئیں۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ امر نے نظروں ہی نظروں میں دیپ کا شکریہ ادا کیا اور وہ لوگ کمرۂ عدالت سے باہر آ گئے۔

اٹھارھواں باب
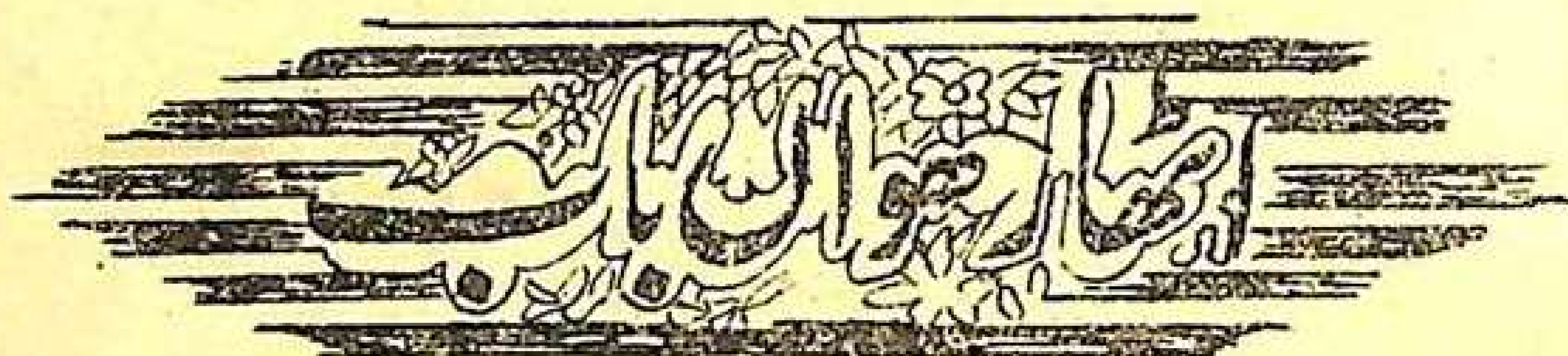
مقدمہ ختم ہونے کے دوسرے روز ہی رامر اور ویپ بمبئی کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس بار رامر نے اپنے پرانے کمرہ کو بالکل چھوڑ دیا اور اپنا سامان بھی ساتھ ہی لے گیا۔

لیکن سارا معاملہ ختم ہو جانے کے باوجود رامر کے دل میں ایک چبھن سی تھی۔ ایک کانٹا سا کھٹک رہا تھا۔ گرفتار ہو جانے کے بعد کچھ عرصے کے لئے اسے چترا پر سخت غصہ آ رہا تھا لیکن جب ویپ کا مرجھایا ہوا زرد چہرہ اس نے دیکھا تو اسے سخت افسوس ہوا۔ کیونکہ وہ صرف اس کی وجہ سے اپنا گھر چھوڑ کر گئی تھی۔ اگر وہ تین روز پہلے وہاں پہنچ جاتا تو چترا کو گھر چھوڑنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ پیشتر خواہ چترا نے اس کے ساتھ کچھ بھی کیا تھا۔ لیکن وہ اس مصیبت کے وقت اس کی امداد ضرور کرنا چاہتا تھا۔ اسے چترا سے اتنی شدید محبت تھی کہ وہ اسے حاصل کرنے کے لئے تمام رنجشیں بھلانے کو تیار تھا۔ وہ صرف چترا کو حاصل

کرنا چاہتا تھا۔ چاہے وہ فریب کار تھی یا عصمت باختہ۔
لیکن اس کے مقابلہ میں وہ دیپ کی قربانیوں کو بھی نظر انداز نہ کرسکتا تھا۔ جس روز سے اس کی دیپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بغیر کسی غرض کے اس کے لئے قربانیاں کر رہی تھی۔ صرف اپنی بے لوث محبت کی خاطر۔
وہ اس حقیقت سے بھی ناآشنا نہیں تھا کہ دیپ اگر اس کی مدد نہ کرتی۔ اگر وہ دہلی پہونچ کر چترا کا وہ خط چالاکی سے حاصل نہ کرتی تو بھگوان جانے مقدمہ کیا صورت اختیار کرتا۔
جب وہ یہ سوچتا کہ پولیس اس پر چترا کے قتل کا الزام لگا کر مقدمہ چلانا چاہتی تھی تو اس کے سارے جسم میں خوف کی ایک جھرجھری سی آجاتی اور پھانسی کا پھندا اس کی نگاہوں میں گھوم جاتا۔ یہ دیپ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اسقدر جلد مقدمہ ختم ہوگیا اور وہ باعزت طور پر بری کر دیا گیا۔
بمبئی پہونچ کر اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے وہ انہیں تمام باتوں پر غور کرتا رہا تھا۔ اور اپنے مستقبل کے بارے میں کسی فیصلہ پر پہنچنا چاہتا تھا۔

سوال یہ تھا کہ اب وہ کیا کرے۔؟
اس کے سامنے دو باتیں تھیں۔ پہلی یہ کہ وہ دیپ سے شادی کرلے اور دوسری یہ کہ چترا کو تلاش کرے۔ اگر وہ اس وقت تک زندہ ہے تو یقیناً اسے ایک ہمدرد ساتھی کی سخت ضرورت ہوگی۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ نہ وہ دیپ سے شادی کرسکتا تھا اور نہ چترا کو تلاش کرسکتا تھا۔

دیپ کی قربانیاں اسے مجبور کرتی تھیں کہ وہ چترا کا خیال دماغ سے نکال دے۔ لیکن اس کا دل چترا کو بھلانے کے لئے تیار نہ تھا۔ دوسری طرف اُداسی تو چترا کو تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا۔ دوسرے دیپ کی دلکشی کا خیال اسے اس کا دامن تھامے ہوا تھا۔

وہ ان دونوں لڑکیوں کے درمیان حیران و پریشان کھڑا تھا کہ کدھر جائے اور کیا کرے۔ اس کا مستقبل دو چٹانوں کے درمیان کھو گیا تھا جسے وہ تلاش کرنے کی بے سود کوشش کر رہا تھا۔ زندگی دیکھے مستقل کشمکش بن کر رہ گئی تھی۔ اور وہ خیالات کی الجھنوں میں اس طرح پھنس کر رہ گیا تھا کہ کوئی رہائی کی صورت نظر نہ آتی تھی۔

دیپ صوفے پر بیٹھی ہوئی کتاب پڑھ رہی تھی اور امر ابھی تک کسی کشمکش میں الجھا ہوا کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک تو دیپ اُسے دیکھتی رہی۔ آخر کتاب میز پہ ڈالتے ہوئے بولی۔

"امر کیا بات ہے۔ میں کئی روز سے دیکھ رہی ہوں کہ آجکل تم پریشان زیادہ رہتے ہو۔"

امر چلتے چلتے رُک گیا اور بولا۔

"کیا؟ نہیں تو۔ میں تو بالکل خوش ہوں۔"

"جی ہاں بہت خوش ہو۔" دیپ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "جبھی تو چہرا اترا ہوا ہے۔ آخر تم اپنے دل کا راز مجھ سے کہتے کیوں نہیں۔ کیا غم ہے"

"تمہیں غلط فہمی ہو گئی دیپ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"پھر اس قدر اداس کیوں ہو۔ کیا چترا کی یاد ستا رہی ہے۔"

چترا کا نام سن کر غیر ارادی طور پہ امر کے منہ سے ایک ٹھنڈی سانس

نکل گئی۔ اس نے کہا۔

"نہیں تو"

"اس کی یاد نہیں آ رہی تو ٹھنڈی سانس بھرنے کی کیا ضرورت تھی۔ آخر تم مجھ سے چھپانا کیوں چاہتے ہو۔ میں اس کی یاد کو تم سے چھین تو نہیں لوں گی۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم ہمترا کو نہیں بھول سکتے"

"یہ بات نہیں دیپ۔ سچ بات یہ ہے کہ کبھی کبھی مجھے یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ بھگوان جانے وہ بدنصیب زندہ بھی ہے یا نہیں اور اگر زندہ ہے تو کس حالت میں ہے"

"تو پھر اُسے تلاش کر کے دیکھو۔ شاید مل جائے" دیپ نے کسی قدر ناگواری کے لہجہ میں کہا۔

"تم تو خفا ہو گئیں" امر نے دیپ کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "میرا یہ مطلب بالکل نہیں تھا کہ میں اُسے تلاش کرنے نکلوں۔ میں تو صرف ایک بات کہہ رہا تھا"

دیپ کے چہرے پر کچھ اُداسی سی چھا گئی۔ چند لمحوں تک دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ آخر کچھ دیر کے بعد دیپا نے کہا۔

"میں ایک بات بہت دنوں سے کہنے کے لئے سوچ رہی ہوں"

"کیا ہے" امر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"تم آخر اس کشمکش سے نکل کر کسی ایک فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے"

"کیا مطلب" امر نے حیرت سے ابرو کو جنبش دیتے ہوئے کہا

"مطلب یہ کہ تمہارے سامنے دو صورتیں ہیں۔ یا تو تم چترا کو بھول کر مجھے اپنا لو، یا پھر مجھے چھوڑ کر چترا کو تلاش کرو۔ اور اگر وہ مل جائے تو اس سے شادی کر لو۔"

"تم چترا کا ذکر بار بار کیوں کر رہی ہو؟" امر نے زیب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"اس لیئے کہ صرف چترا کا خیال تمہیں مجھ سے شادی کرنے سے روک رہا ہے۔"

"یہ بات نہیں۔" امر نے کہا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اُسے کبھی نہیں بھول سکتا لیکن موجودہ حالات میں اُسے تلاش کرنا بالکل ناممکن ہے۔ اس لیئے میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں۔"

"پھر مجھ سے شادی کرنے میں کیا بات حارج ہے؟"

"میں صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ میں تمہیں خوش رکھ سکوں گا یا نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں میری وجہ سے تمہاری زندگی برباد ہو جائے مجھے تم پر تو ہر طرح کا بھروسہ ہے لیکن اپنے آپ پر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔"

"تم میرا فکر مت کرو۔ تمہارے ساتھ رہ کر اگر مجھے ساری دنیا کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں تو بھی میں خوش رہوں گی۔ تمہاری رفاقت اور محبت ہی میرے لیئے سب کچھ ہے۔"

"یہ تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن میں تو یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا تم میری وجہ سے مشکلیں برداشت کرو۔ اس لیئے جلد بازی کرنے سے بہتر یہی صورت ہے کہ ہم ایک دوسرے کا جائزہ لے لیں۔"

دیپ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔

"سچ اگر پوچھتے ہو تو میں سمجھتی ہوں کہ تم صرف اتنا بہانہ سے مجھے ٹالنا چاہتے ہو اس کے علاوہ کچھ نہیں!"

"دیپ!" امر نے جلدی سے کہا "بھگوان کے لئے مجھے غلط نہ سمجھو"

"پھر کیا بات ہے کہ تم خواہ مخواہ کے رکاوٹیں پیدا کر رہے ہو"

"بہت اچھا" امر نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا "اگر تم یہی سمجھتی ہو کہ میں تمہیں فریب دینے کی کوشش کر رہا ہوں تو میں اسی وقت شادی کرنے کو تیار ہوں!"

دیپ یہ فقرہ سن کر تیزی سے اس کی جانب گھوم گئی اور حسرت بھرے لہجے میں بولی۔

"سچ! امر کیا تم سچ مچ یہ بات کہہ رہے ہو!"

"ہاں دیپ۔ میں تم سے شادی کرنے کو تیار ہوں۔ جب تم چاہو!"

"اوہ! امر" دیپ نے جوش مسرت سے بیتاب ہو کر کہا اور اپنی باہیں امر کی گردن میں ڈال دیں۔

امر نے آہستہ سے اس کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کے اسے سینے سے لگا لیا اور اس کے شہد آگیں ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔

دیپ پر جیسے کسی نے جادو سا کر دیا۔ اسے اپنی رگوں میں تیز نشہ سا دوڑتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کے دل میں میٹھی میٹھی گدگدیاں ہونے لگیں۔ ذہن میں تو س و قزح کے رنگ تڑپنے لگے۔ اور جذبات کی حرارت سے چہرہ گلنار ہو گیا۔

"امر!" اس نے جیسے دور سے پکارا۔

"دیپ"؟

"تم کتنے اچھے ہو۔"

"سچ؟"

"ہاں۔ بالکل سچ۔"

چند لمحوں کے لئے امر چترا کو قطعاً بھول گیا۔ دیپ کی گرمجوشی کسی کی یاد پہ چادر بن کر پھیل گئی۔

غیر متوقع طور پر شادی کا پروگرام طے ہو گیا۔ امر کا مستقبل جو دو محبتوں کے درمیان لٹک گیا تھا یکایک اُسے مل گیا۔ اب وہ کسی حد تک مطمئن تھا۔ چترا کی جانب سے وہ بالکل ناامید ہو چکا تھا۔ اُسے حاصل کرنے کا خیال خواب بن چکا تھا اس لئے اس نے دیپ کو ہی اپنا کر سکون زندگی حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ کشمکش جو اس کے لئے جان لیوا بنی ہوئی تھی یکایک ختم ہو گئی۔ اب اس نے سوچ لیا تھا کہ جتنا امکان چترا کے خیال کو بھولنے کی کوشش کروں گا۔ اگرچہ اُسے بھلا دینا ناممکن ہے پھر بھی یاد کی وہ شدت ضرور کم کی جا سکتی ہے۔

شادی کی تاریخ ایک ماہ بعد کی طے ہوئی۔ دیپ کی رائے تھی کہ شادی میں ہنگامہ بالکل نہ کیا جائے۔ صبح وہ دونوں چند دوستوں کو ساتھ لے کر عدالت چلے جائیں گے اور شادی کے فارم دستخط کر کے آ جائیں گے۔ شام کو دونوں کے مشترکہ دوستوں اور سہیلیوں کو ایک پارٹی دی جائے جس کا انتظام امر کے ہوٹل میں ہی کیا جائے۔ اس کے بعد امر ہوٹل کا کمرہ چھوڑ دے اور مستقل طور پہ دیپ کے کمرے میں اُٹھ آئے۔ دونوں جب اپنے دوستوں کی فہرست بنانے بیٹھے تو

بمشکل تمام کل پندرہ اشخاص نکلے جنمیں پانچ دیپ کی سہیلیاں بھی شامل تھیں ۔
فہرست بن جانے کے بعد دیپ نے کہا۔
" اس دعوت کے تمام اخراجات میں اٹھاؤں گی۔"
" اب میرا اور تمہارا کیا؟ امر نے کہا۔
" نہیں " دیپ نے ہنس کر کہا " جب تک شادی نہیں ہو جاتی ہم الگ الگ ہی ہیں ۔ میرے پاس چار سو روپیہ بچا ہوا رکھا ہے آخر وہ کس کام آئیگا ۔
" اور میں بھی تو ابھی تمہارا مقروض ہوں " امر نے کہا ۔
" وہ کیسے " ؟ دیپ نے حیرت سے کہا " تم نے جو روپے مجھ سے قرض لئے تھے وہ تو سب دے دیئے تھے ۔
" ہاں نقد جو قرض لئے تھے وہ تو دے دیئے تھے ۔ لیکن تم نے میری خاطر دہلی میں مقدمہ پہ جو روپیہ خرچ کیا ہے وہ تو میرے ذمہ قرض ہی ہے "
" نہیں وہ قرض نہیں ۔ وہ تو میں نے اپنی مرضی سے اپنے کام پہ خرچ کئے تھے "
" جی نہیں " امر نے ہنستے ہوئے کہا " جب تک ہماری شادی نہیں ہو جاتی بقول تمہارے ہم الگ الگ ہی ہیں ۔ اس وقت تک جو پیسہ تم میرے اوپر خرچ کروگی وہ مجھ پہ قرض ہوگا "
" اچھا بابا اچھا ۔ شادی کے بعد مجھے وہ سب روپے ادا کر دینا لیکن یہ بتاؤ کہ تم اپنا کاروبار کب شروع کر رہے ہو "
" شادی کے بعد "

"کیا سارے کام شادی کے بعد پر ہی اُٹھا رکھے ہیں"۔
"ہاں اب تو سب کچھ زندگی کے اس اہم فرض کے بعد ہی ہوگا"۔
"چلو یہ تو خوشی کی بات ہے کہ تم نے شادی کو اتنی اہمیت دی"۔
"تو اہمیت میں نے کب نہیں دی۔ بس اس لئے جھجک رہا تھا کہ کہیں میں اپنے فرائض میں نااہل ثابت نہ ہوں"۔
"چلئے خیر جو ہونا تھا سو ہو گیا" زیب نے کہا۔
"ہاں" امر نے پُرخیال انداز سے کہا "اور جو ہونا ہے ہو جائیگا"۔
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد امر نے پوچھا۔
"شادی کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے"۔
"کس سلسلہ میں"؟
"میرا مطلب ہے شادی کے بعد تم اپنی ملازمت جاری رکھو گی یا ختم ختم کر دو گی"۔
"شادی کے بعد میرے مالک تم ہو گے" زیب نے شرماتے ہوئے لہجہ میں کہا "تم جس طرح چاہو گے ہو گا"۔
"ویسے تمہاری کیا خواہش ہے"۔
"میری خواہش کچھ نہیں۔ سوائے اس کے کہ میں ہر دم تمہارے ساتھ رہوں۔ لیکن اگر تم نے کوئی ایسا کاروبار شروع کیا جس میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں اور تم دن دن بھر اپنے کاموں میں مصروف رہو تو پھر بہتر ہے کہ میں ابھی سال دو سال اور ملازمت کرتی رہوں۔ اس کے بعد جب کوئی ایسا موقعہ آئے کہ ملازمت کرنا مشکل ہو جائے اس وقت

چھوڑ دوں"

"ایسے موقعہ سے تمہاری کیا مراد ہے" امر نے پوچھا۔

اس سوال پر دیپ شرما گئی۔

"اس میں شرمانے کی کیا بات ہے" امر نے کہا۔ "میں نے ایک بات ہی تو پوچھی ہے۔ نہیں بتاؤ تو نہیں"

"میرا مطلب تھا" دیپ نے اور زیادہ شرماتے ہوئے کہا "اور کہ جب کوئی" اپنی بات نامکمل چھوڑ کر وہ پھر خاموش ہو گئی۔

"بتاؤ نا" امر نے اصرار کیا۔

"نہیں۔ ہم نہیں بتاتے" دیپ نے شوخی اور شرم کے انداز سے کہا۔

"اچھا اچھا میں سمجھ گیا" امر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"یہ کہ تمہارا مطلب ہے جب ہمارے کوئی بچہ ہونے کی امید ہو تو تم ملازمت چھوڑ دو"

دیپ نے جھٹ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ اور شرم سے کھکھلا کر ہنستی ہوئی باہر بھاگ گئی۔

اکیسواں باب
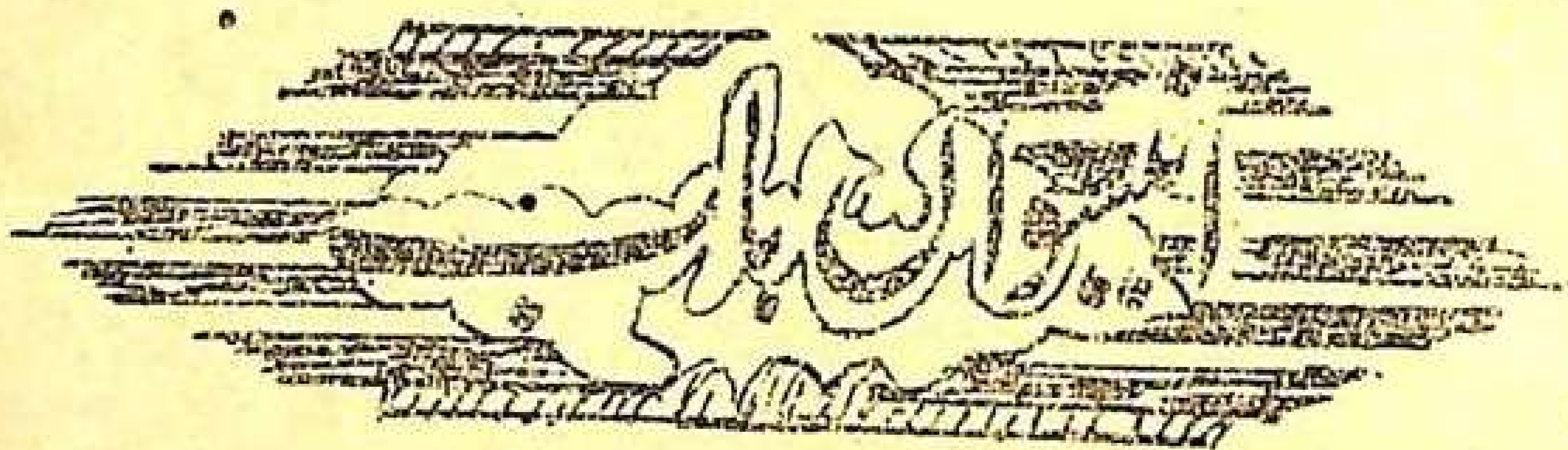
پورا ایک ماہ گزرنا بیپا کے لئے دشوار ہو گیا۔ ایک ایک منٹ اسے ایک سال معلوم ہو رہا تھا۔ وہ جلد از جلد امر کے پیروں میں شادی کی زنجیر ڈالنا چاہتی تھی۔ تاکہ پھر کوئی اچانک حادثہ ان کے درمیان حائل نہ ہو جائے۔

وہ سمجھتی تھی کہ جب تک شادی نہیں ہو جاتی امر ایک پنچھی کی مانند ہے جو جب چاہے اڑ کر جا سکتا ہے۔ لیکن شادی کے بعد وہ مجبور ہوگا۔ اگر چترا بھی آ جائے گی تو بھی وہ مجبور ہوگا اس کے علاوہ درحقیقت وہ امر سے محبت بھی بہت زیادہ کرتی تھی اس لئے چاہتی تھی کہ جلد از جلد یہ جدائی کی گھڑیاں ختم ہوں۔

شادی کے دوسرے دن اس کا خیال تھا کہ وہ امر کو لے کر کشمیر چلی جائے گی۔ تاکہ دہلی اور بمبئی سے بہت دور جا کر جہاں چترا کا خیال تک امر کو نہ آ سکے وہ اپنا ہنی مون منا سکیں۔ بلکہ اسی

بھی زیادہ زیب کی خواہش تھی کہ وہ بمبئی جیسا شہر چھوڑ کر دور کسی چھوٹے سے قصبے میں جا بسیں جہاں کوئی ان کا جاننے پہچاننے والا نہ ہو۔ جہاں کوئی ان کو تلاش کرتا ہوا نہ آسکے۔ یہ تمام احتیاطیں اور تدابیر وہ صرف اس لئے کرنا چاہتی تھی کہ امر کسی طرح چترا کو بھول جائے۔ یا چترا کسی وقت یکایک نمودار ہو کر اس کی محبت اور اسکے آرام و سکون میں خلل انداز نہ ہو جائے۔

آخر خدا خدا کر کے انتظار کا ایک طویل باب ختم ہو گیا۔ دوسرا روز شادی کا دن تھا۔ حسرتوں اور آرزوؤں کے بر آنے کا دن تھا اس رات زیب ایک لمحہ کے لئے بھی نہ سو سکی۔ فرط مسرت نے اسے بے چین کر رکھا تھا بار بار اسے آنے والے لمحات کا خیال آجاتا اور اس کے دل میں گدگدیاں سی ہونے لگتیں۔

صبح ہوتے ہوتے ذرا آنکھ لگ گئی۔ لیکن آٹھ بجے وہ پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

پروگرام یہ تھا کہ صبح ۹ بجے وہ امر کے کمرے پر پہونچ جائے گی۔ عدالت میں گواہی کے لئے انہوں نے دو دوستوں کو بھی وہیں دس بجے بلایا تھا۔ دس بجے انہیں عدالت کے لئے روانہ ہو جانا تھا۔

اس نے جلدی جلدی نہا دھو کر اپنی بہترین ساری پہنی جو وہ صرف آج کے لئے خرید کر لائی تھی اور خوب آراستہ و پیراستہ ہو کر وہ "پی کے دیس" روانہ ہو گئی۔

جلدی جلدی کرنے کے باوجود ساڑھے نو بج گئے تھے۔ خوشی

سے کے مارے اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے اس لئے کوئی کام بھی وہ اچھی طرح نہ کر پا رہی تھی۔

ٹھیک پونے دس بجے وہ امر کے ہوٹل میں پہنچی۔ اُسے یقین تھا کہ امر بے چینی سے اس کا منتظر ہو گا۔ وہ ساڑھی کا پلو سنبھالتی ہوئی رنگین تیتری کی طرح تیزی سے زینے پر چڑھی۔ زینہ کے موڑ پر سے گھومتے ہوئے اس نے ایک لمحہ کے لئے رُک کر اپنے پھولے ہوئے سانس پر قابو پایا اور خود کو ناقدانہ نظر سے دیکھا کہ کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔

پھر اٹھلاتی ہوئی آگے بڑھی۔

"لیکن یہ کیا"؟

امر کے کمرے کے سامنے پہونچتے ہی اس کے دل کو ایک دھکا سا لگا اور اس کے قدم جہاں تھے وہیں رُک گئے۔

اُسے یقین تھا کہ امر بے چینی سے دروازہ پر اس کا منتظر کھڑا ہو گا لیکن وہاں امر غائب تھا۔ اور اس کے کمرے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔

اس نے ایک بار گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ کہیں وہ غلط کمرے پر تو نہیں آ گئی ہے۔ لیکن نہیں کمرہ امر کا ہی تھا۔

"پھر امر کہاں گیا"؟

کیا وہ مجھے دھوکا دے گیا۔ کیا شادی کا وعدہ صرف فریب تھا۔ کیا وہ میری محبت کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

سینکڑوں خوفناک سوال زہریلے ناگوں کی طرح اُسکے دماغ میں

رینگنے لگے۔

دیپ کا جی چاہا کہ وہ اسی جگہ چلا چلا کر رونے لگے۔ کپڑے نوچ کر پھینک دے اور پاگلوں کی طرح چیختی ہوئی سڑک پر دوڑنے لگے۔

اتنے ہی میں ہوٹل کا ایک ملازم ادھر سے گزرا۔ اس نے دیپ کو وہاں دیکھ کر کہا۔ "بی بی جی چابی اسی جگہ رکھی ہے۔ آپ اندر تشریف لے چلئے نا۔"

دیپ جیسے خواب سے چونک پڑی۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے ملازم سے پوچھا۔

"امر کہاں گئے؟"

"پتہ نہیں۔" ملازم نے جواب دیا۔ "صبح آٹھ بجے ایک آدمی آیا تھا۔ اسی وقت وہ گھبرائے ہوئے اس آدمی کے ساتھ چلے گئے۔"

"جاتے ہوئے کچھ کہہ گئے تھے۔" دیپ نے اپنے خشک حلق سے بمشکل آواز نکالتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں۔ کچھ بھی نہیں کہہ گئے۔ لیکن آپ اندر بیٹھ جائیے۔ کہئے تو تالا کھول دوں۔"

"ہاں ذرا کھول دو۔" اس نے دیوار کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

ملازم نے تالا کھول دیا۔ اور دیپ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔ وہ پریشان تھی کہ آخر امر کہاں گیا۔ کون آدمی اسے بلانے آیا تھا۔ اور کیوں؟ کیا پھر جیتر اس کے باپ نے کوئی مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ کیا وہ پولیس کا آدمی تھا۔؟

یہ سوچ کر وہ پریشان ہو گئی۔ کمرے میں اندر داخل ہو کر وہ صوفے پر بیٹھنا ہی چاہتی تھی کہ اس کی نظر بستر پر پڑے ہوئے ایک تہہ کئے ہوئے کاغذ

پر پڑی تھا۔ زیبا نے جلدی سے کاغذ اٹھا کر دیکھا تو وہ کسی کا خط تھا اس نے سرسری نظر سے اُسے پڑھا۔ لکھا تھا۔

امر......

میں اس وقت زندگی کے نازک ترین لمحات سے گذر رہی ہوں۔ اگر تمہارے دل میں میرے لئے ذرا گنجائش باقی ہو تو پرانی محبت کے واسطے میں چند لمحوں کے لئے مجھ سے مل جاؤ۔

تمہاری چترا۔

نوٹ:۔ میں اس وقت" کاما لیڈیز ہسپتال میں ہوں۔

خط پڑھ کر زیبا کو ایسا محسوس ہوا جیسا سخت پیاس کے عالم میں اس کے ہونٹوں تک آیا ہوا سرد پانی کا گلاس چترا نے اس کے ہاتھ سے چھین لیا ہو۔ کاغذ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ اس کے ہونٹوں پر تھرتھراہٹ پیدا ہوئی۔ اور امر کے بستر پر گر کر وہ بے تحاشہ رونے لگی۔

اسے اپنی قسمت پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ اُسے چترا پر سخت غصہ آ رہا تھا لیکن وہ مجبور تھی۔

چند منٹ کے بعد جب ذرا اس کے جذبات میں سکون ہوا تو وہ کچھ سوچ کر اٹھی۔ وہ دوست جنہیں دس بجے آنا تھا ابھی تک نہیں آئے تھے۔ زیبا نے کمرے میں تالا لگایا اور تیزی کے ساتھ نیچے اترتی ہوئی سڑک پر آگئی۔ سڑک پر سے گذرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو اس نے روکا اور اس میں بیٹھ کر کاما لیڈیز ہسپتال کی جانب روانہ ہوگئی۔

ہسپتال میں پہونچ کر پندرہ منٹ کی جدوجہد کے بعد اُسے پتہ لگ گیا کہ چترا نام کی ایک عورت کس وارڈ اور کس کمرے میں ہے۔ ایک با اخلاق نرس نے اس پر رحم کھایا اور اسے مریضہ کے کمرے تک چھوڑنے کے لئے ساتھ ہو گئی۔ راستے میں اس نے دیپا سے پوچھا۔

"کیا مریضہ آپ کی کوئی رشتہ دار ہے؟"

"ہاں۔" دیپ نے سر ہلا کر مختصر سا جواب دیا۔

"افسوس اس کی حالت زیادہ نازک ہے۔"

دیپ کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ ایک لمحہ کے لیے رک کر بولی۔

"کیا مطلب۔ کیا اس کی حالت خطرہ میں ہے؟"

"جی ہاں۔" نرس نے رنجیدہ لہجے میں کہا۔ "کوئی تین روز ہوئے بیماری کے ٹرکا ہوا تھا۔ جبھی سے اُسے سخت بخار ہے کل شام سے تو مسلسل سرسام کی کیفیت طاری تھی۔ لیکن صبح اچانک شدید بخار ختم ہو گیا اور اس کی حالت سکون پذیر ہو گئی۔ لیکن ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ یہ سکون اس بخار سے زیادہ خطرناک ہے۔"

زچہ وارڈ میں وہ دونوں پہونچ گئی تھیں۔ اس لئے نرس نے ایک کمرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس کمرے میں چلی جائیے۔"

نرس اُسے تنہا چھوڑ کر واپس چلی گئی۔ دیپ نے بڑی آہستگی سے بند دروازہ کھولا اور سامنے ہی بستر پر چترا پڑی تھی۔ اور اس کے سرہانے دیپک بیٹھا تھا۔ دیپ نے پھر آہستہ دروازہ بند کر دیا

لیکن ذرا سی دراز کھلی رہنے دی تاکہ اندر کی آواز بخوبی سن سکے امر اور چترا ایک دوسرے میں اس قدر منہمک تھے کہ انھیں دروازہ کھلنے اور بند ہونے کا پتہ بھی نہ چلا۔

ایک لمحہ بعد ہی اُسے امر کی آواز آئی۔

"چترا" دیپ نے محسوس کیا کہ امر کی آواز میں انتہائی درد تھا۔

شیشہ کی راہ سے وہ اندر کا حال دیکھ بھی رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ سخت تکلیف کے باعث چترا بے حد کمزور ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ کاغذ کی طرح سفید تھا جیسے اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ اس کے پہلو میں ہی ایک ننھا سا بچہ پڑا ہوا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔

چترا نے بمشکل تمام اپنا کمزور ہاتھ اُٹھایا اور امر کے پہلو میں رکھتے ہوئے نحیف آواز میں بولی۔

"امر! میں تمہاری گنہگار ہوں۔ میں نے تمہیں بہت دُکھ دیئے ہیں جن کا آج نتیجہ بھگت رہی ہوں۔"

"ایسا نہ کہو چترا" امر نے اس کے ہاتھ کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب تم جلدی سے اچھی ہو جاؤ۔"

"ہاں۔" چترا نے چھت پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اب میں بالکل اچھی ہو جاؤں گی۔ اور کچھ دیر بعد مجھے کوئی غم نہ رہے گا۔ مجھے کسی دُکھ سکھ کی پرواہ نہیں ہو گی۔ میں اس دنیا کے تمام مصائب سے چھوٹ جاؤں گی۔

"نہیں نہیں چترا۔ بھگوان کے لئے ایسا نہ کہو۔ تم نہیں مر سکتیں، تمہیں زندہ رہنا ہوگا اپنی خاطر نہیں تو میری خاطر ہی، اپنے اس معصوم بچے کی خاطر سہی!"

"اب ہر چیز کا وقت گذر چکا ہے امر۔" چترا نے مایوس لہجہ میں کہا۔ "موت کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ میں چند گھڑیوں کی مہمان ہوں، میرا دل بیٹھا جا رہا ہے اسی لئے میں نے تمہیں بلایا تھا کہ آخری بار تم سے مل لوں تم سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لوں۔ اگر میری حالت بہتر ہوتی تو میں کبھی اطلاع نہیں کرتی۔ کیونکہ میں تم پر بار نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اپنے گناہ کا بار زبردستی میں تم پر نہیں ڈالنا چاہتی تھی!"

"لیکن چترا میں یہ بار ہنسی خوشی اٹھانے کو تیار ہوں!"

"تو کیا تم نے مجھے معاف کر دیا ہے امر؟" چترا نے کسی قدر مسرور لہجہ میں پوچھا۔

"ہاں میں گذشتہ تمام باتوں کو بھلا چکا ہوں، میں نئے سر سے زندگی شروع کرنا چاہتا ہوں۔ ماضی میں خواہ تم نے کچھ بھی کیا ہو۔ اگر تم مستقبل میں میری ہو جاؤ تو مجھے کوئی دکھ نہیں۔"

"آہ! امر تم کتنے رحمدل ہو۔ میں کتنی بد نصیب ہوں کہ میں نے تمہاری قدر نہ کی۔ کاش میری آنکھ سویرے کھل جاتی۔ لیکن اب کیا ہوتا ہے جب چڑیاں کھیت چگ گئیں۔" یہ کہہ کر چترا کی آواز بھر آئی۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

امر چترا کے آنسو دیکھ کر بے چین ہو اٹھا اس نے جلدی سے رومال نکال کر چترا کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"چترا! بھگوان کیلئے خود پر قابو رکھو۔ تم بہت کمزور ہو رونے سے اور زیادہ دل پر اثر ہوگا"

"مجھے یہ آنسو بہانے دو امر" چترا نے کہا۔ "یہ آنسو ندامت کے آنسو ہیں، خوشی کے آنسو ہیں۔"

امر نے بات کا موضوع بدلنے کے لئے کہا۔

"لیکن تم گھر سے آنے کے بعد اتنے دن تک خاموش کیوں رہیں۔ مجھے پہلے ہی اطلاع کیوں نہیں بھیجی دہلی سے تم سیدھی میرے پاس کیوں نہیں آ گئیں؟"

چترا کو دہلی کے حالات کا کچھ علم نہیں تھا۔ اُسے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ اس کا وہ خط جو اس نے لکھ کر کتاب میں رکھ دیا تھا امر تک پہنچ چکا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا۔

"بات اصل میں یہ ہوئی کہ میرے والدین کو کسی طرح علم ہو گیا کہ تم سے میرے کسی زمانے میں تعلقات تھے چنانچہ انہوں نے سمجھا کہ میرے اس بچے کے باپ تم ہو۔ اس پر انہوں تجویز سوچی کہ تمہیں بلا کر میری شادی کسی طرح تمہارے ساتھ کر دی جائے۔ میں اس تجویز سے بہت خوش ہوئی۔ اسی لئے میں نے تمہیں وہ خط لکھا تھا مقصد یہ تھا کہ اگر تم میرے اس گناہ کو چھپانے کے لئے تیار ہو جاؤ گے تو میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی اور والدین کی اجازت سے تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔ اعلان یہ کر دیا جائیگا کہ ہم نے ایک سال پیشتر خفیہ طور پر شادی کر لی تھی۔

لیکن جب تم نے میرے خط کا جواب نہ دیا تو میں سمجھی کہ اس حالت میں تم مجھے اپنانے کو تیار نہیں ہو، مجھے اس بات سے سخت دکھ ہوا لیکن پھر ذرا غور کیا تو تمہاری پہلو تہی مجھے بجا نظر آئی۔ واقعی کوئی مرد بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ وہ دوسرے کے بچے کو اپنائے اور ایک ایسی لڑکی سے شادی کرے جو اپنی عصمت لٹا چکی ہو

اسی دوران میں ایک روز میں نے پتا جی کو ماتا جی سے باتیں کرتے سنا وہ دونوں یہ تجویز سوچ رہے تھے کہ تمہیں دہلی کس طرح بلایا جائے اور کس طرح تمہیں میرے ساتھ شادی کرنے پہ آمادہ کیا جائے۔

پتا جی کی تجویز یہ تھی کہ اپنے اثر رسوخ سے کام لیکر وہ تمہیں کسی فرضی

جرم میں گرفتار کرا کے دہلی بلا لیں اور یہاں تمہیں مجبور کریں یا تو تم میرے ساتھ شادی کرو ورنہ جیل بھجوا دیا جائے گا۔

مجھے ان کی یہ تجویز سخت ناگوار گذر رہی تھی اتنے پیشتر نہیں کافی فریب چکی تھی۔ مزید اس فریب اور زبردستی کے لئے تیار نہ تھی۔ چنانچہ پہلے تو میں نے گول مول الفاظ میں والدہ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن جب میں نے دیکھا کہ وہ راضی نہیں ہو رہیں تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ نہ میں یہاں ہوں گی اور نہ پتا جی کو تم پر یہ ظلم کرنے کا موقعہ ملے گا۔

اپنے دل میں یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں نے تمہیں ایک خط لکھا جس میں یہ سارے حالات درج تھے۔ لیکن خط لکھنے کے بعد میں نے سوچا کہ تم مجھے بھول چکے ہو۔ تم نے میرے پہلے خط کا جواب تک نہیں دیا اس لئے تمہیں خط لکھنے سے کیا حاصل ہے تمہارے لئے میں مر چکی ہوں۔ میں خواہ اپنے گھر پر رہوں یا کہیں اور چلی جاؤں تمہارے لئے یکساں ہے۔ لہذا میں نے وہ خط پوسٹ نہیں کیا۔ اور اسی رات کو کچھ روپیہ نقد جو میرے پاس تھا اپنے ساتھ لے کر گھر سے چل پڑی۔

اسٹیشن پر پہنچ کر مجھے فکر ہوا کہ کہاں جاؤں بمبئی اور کلکتہ دو ہی ایسے بڑے شہر تھے جہاں میں اپنی ہستی کو بخوبی چھپا سکتی تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے کلکتہ جانے کا خیال تک نہ آیا اور میں نے بمبئی کا ٹکٹ لے لیا۔

یہاں آ کر میں ایک ہوٹل میں رہنے لگی۔ اس ڈیڑھ دو ماہ کے عرصے کے دوران میں کئی بار میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں تم سے جا کر ملوں لیکن ہر بار میری غیرت نے میرے قدم روک لئے۔ میرے پچھلے گناہوں کے

میرا دامن تھام لیا۔ میں بھلا کیا منہ لے کر تمہارے پاس آ سکتی تھی!"

"تم نے بہت بڑی غلطی کی۔" امر نے یکایک اُس کی بات کاٹ کر کہا
تمہیں بمبئی آتے ہی سیدھے میرے پاس آنا چاہیئے تھا۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔ میری غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ میں نے سمجھا کہ تم
نے میرے خط کا جواب نہیں دیا اس کے معنی یہ ہیں کہ اب تم مجھ سے نفرت
کرنے لگے ہو۔ کیا اس صورت میں میرا تمہارے پاس آنا درست تھا۔

خیر مختصر یہ کہ جس طرح ہوا یہ ڈیڑھ مہینہ گزر گیا۔ مدت پوری ہو چکی
تھی اس لئے مجھے تکلیف شروع ہو گئی۔ روپیہ میرے پاس اب بھی کافی تھا
اس لئے میں نے خود ہی اس ہسپتال میں ایک موزوں کمرہ کرایہ پر لے لیا
جہاں دو روز کے بعد یہ بچہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد کیا ہوا! مجھے کچھ یاد نہیں
ان چھ روز میں اس قدر شدید تکلیف اُٹھائی ہے کہ میں اُسے الفاظ بیان
نہیں کر سکتی۔ نرس کہتی تھی کہ بچہ ہونے کے چند گھنٹوں بعد ہی میں بے ہوش ہو گئی تھی پھر
بعد جب ہوش آیا تو اتنا سخت بخار تھا کہ تکلیف یا راحت کا احساس ہی نہیں رہا
چار پانچ روز کے سخت بخار کے بعد آج صبح ذرا ہوش آیا۔ ہوش آتے ہی
مجھے فوراً تمہارا خیال آیا کیونکہ بمبئی میں میرا ایسا کوئی نہیں تھا جس سے میں اپنے
دکھ درد کا حال کہہ سکتی۔ اسکے علاوہ نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوا کہ اب
میں زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی اس قسم کا بخار زچہ کیلئے بہت خطرناک ہوتا
ہے۔ ایک خاص قسم کا زہریلا مادہ میرے خون میں پیدا ہو چکا ہے جسکے
باعث اتنا سخت بخار رہا۔ اور اب جب سے تم آئے ہو میں اچھی طرح محسوس
کر رہی ہوں میرے دل کی رفتار مدھم ہوتی جا رہی ہے اور کچھ دیر میں یہ رفتار بالکل
ختم ہو جائے گی۔ اور میری زندگی ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے گی۔"

"چترا" یکا یک امر نے چترا کے منہ پر ہاتھ رکھدیا۔ بھگوان کیلئے ایسی مایوسی کی باتیں نہ کرو تم جلد اچھی ہو جاؤگی۔

"تم خوش فہمی میں مبتلا ہو رہے ہو امر" چترا نے ایک اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میں نے ڈاکٹروں کو اپنی حالت پر مایوسی سے سر ہلاتے دیکھا ہے میں جانتی ہوں کہ چار روز کے اس خطرناک بخار کا یک لخت اتر جانا بخار سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ میں نے نرسوں کے چہروں پر لکھے ہوئے ناامیدی کے خیالات کو اچھی طرح پڑھا ہے۔ اسکے علاوہ خود اپنی اندرونی حالات کو اچھی طرح سمجھ رہی ہوں تم سمجھ رہے ہو کہ میں اچھی طرح بول رہی ہوں واقعہ اصل یہ ہے کہ مجھے تم سے یہ تمام ضروری باتیں کرنی تھیں اس لئے اپنی تمام قوت مجتمع کر کے میں تم سے گفتگو کر رہی ہوں۔ ورنہ مجھ میں اتنی طاقت کہاں ہے اس سے قبل کہ وقت میری آواز گھونٹ دے تمہیں ساری باتیں بتا دینا چاہتی ہوں۔ تم میرے کلیجہ پر ہاتھ رکھکر دیکھو کہ دل کی رفتار کس قدر مدھم ہے میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ جب تم یہاں آئے تھے تیز تھی لیکن اب یہ رفتہ رفتہ کم ہوتی جا رہی ہے۔ میرے خون میں زہر پیدا ہو چکا ہے رفتہ رفتہ اپنا کام کر رہا ہے"۔

یہ کہہ کر چترا نے امر کا ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ لیا اسکے دل کی دھڑکنوں کو دیکھ کر امر کے چہرے پر بھی رنج و غم کے اور زیادہ آثار پیدا ہو گئے۔

"ٹھہرو میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔ تاکہ وہ تمہیں طاقت کے کچھ انجکشن دیدے۔"

امر اٹھنے لگا تو چترا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں امر بیٹھو۔ طاقت کے انجکشنوں سے اب کچھ نہیں ہوگا۔ میرا یہ آخری وقت ہے۔ میں نے جس مطلب کے لئے تمہیں بلایا ہے اسکے بارے میں چند الفاظ سن لو۔ ایسا نہ ہو کہ میں اپنے سینہ میں وہ حسرت لئے ہوئے ختم ہو جاؤں۔

"لیکن تمہیں باتیں کرتے کافی عرصہ ہوگیا۔ ذرا ڈاکٹر کو اپنی حالت دیکھ لینے دو۔"

"نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" چترا نے کہا۔ "تمہارے آنے سے قبل ڈاکٹر مجھے طاقت کے انجکشن دے چکا ہے یہ اسی کا اثر ہے کہ میں اسوقت تم سے اس طرح باتیں کر رہی ہوں۔ اسوقت تم مجھے چھوڑ کر کہیں مت جاؤ۔ میں چاہتی ہوں کہ میں تمہاری گود میں سر رکھ کر مروں۔ اور میرے مرنے سے قبل تم میری ایک خواہش سن لو۔"

"اچھا میں نہیں جاتا۔" امر پھر بیٹھ گیا۔ "جو تم کہنا چاہتی ہو کہو میں سن رہا ہوں۔"

"سب سے پہلے تو تم میرا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لو۔"

امر نے آہستگی سے اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور بولا۔

"بس۔ ٹھیک ہے۔"

"ہاں۔" چترا نے امر کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ پھر ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"امر!"

"ہاں چترا!"

"تم کسی زمانے میں مجھ سے بے انتہا محبت کرتے تھے نا!"

"میں آج بھی تم سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں چترا!" امر نے جواب دیا۔ "تمہاری یاد اور تمہاری محبت میرے دل سے کوئی نہیں نکال سکتا۔"

"سچ!"

"ہاں!"

"آج بھی تم مجھ سے اتنی ہی شدید محبت کرتے ہو۔"

"اس سے بھی زیادہ۔"

"تو تم میری ایک خواہش پوری کردو گے!"

"تم کہو تو سہی ابا"

"کیا تم میرے مرنے کے بعد میرے اس بچے کو پرورش کر سکتے ہو؟"

"بچے کو؟" امر نے حیرت سے کہا۔

غالباً امر کو اس خواہش کا خیال بھی نہ پیدا ہوا تھا۔ اسی لئے چند لمحوں تک حیرت سے کبھی چترا کو اور کبھی بچہ کو تکتا رہا۔ چترا نے اُسے خاموش دیکھ کر کہا۔

"اس میں شک نہیں امر کہ یہ بچہ میرے گناہ کی نشانی ہے۔ لیکن بہرحال یہ میرا بچہ ہے میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اور یہ بھی مت بھولو کہ یہ بچہ فرشتوں کی طرح معصوم ہے۔ میرے گناہ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ کیا ایسی صورت میں بھی تم اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے؟"

ایک لمحہ خاموش رہ کر چترا نے امر کا ہاتھ مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں لیکر کہا۔

"امر! اگر اس بچے کی پرورش کا کوئی اچھا بندوبست نہ ہوا تو مرنے کے بعد میری آتما کو چین نصیب نہ ہو سکے گا۔ بولو کیا تم میری یہ خواہش پوری کر سکو گے؟"

"مجھے تمہاری خواہش پوری کرنے میں تو کوئی اعتراض نہیں چترا" امر نے جواب دیا "لیکن تم خود سوچو۔ میں ایک مرد ہوں۔ بچوں کی پرورش کرنے کا طریقہ مجھے بالکل نہیں آتا اور یہ بچہ اس قدر چھوٹا ہے"

چترا نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹ دی۔

"امر! اس طرح مجھے ٹالنے کی کوشش نہ کرو فرض کر و میں تمہاری بیوی ہوتی اور یہ بچہ تمہارا اپنا ہوتا۔ اس صورت میں تم میرے مرنے کے بعد کیا کرتے؟"

"تم بار بار اپنے مرنے کا ذکر کیوں کرتی ہو۔ حوصلہ کرو۔ مجھے یقین ہے کہ تم ضرور اچھی ہو جاؤ گی"

"یہ بعد کی بات ہے پہلے تم یہ بتاؤ کہ بالفرض اگر میں مر گئی تو کیا تم میرے

اس بچے کی پرورش اپنے ذمہ لے لو گے۔ یہاں بمبئی میں اور کوئی میرا ہمدرد ایسا نہیں ہے جس کو میں یہ معصوم جان سونپ سکوں۔"
امر ایک لمحہ کے لئے سوچ میں پڑ گیا۔
زیب اس وقت تک دروازہ سے لگی ہوئی ان کی سب باتیں سن رہی تھی اور سارا حال دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ اُسے چترا سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ لیکن موجودہ حالت میں دشمنی اور حسد کا سوال ہی نہیں تھا بلکہ ان دونوں کی درد بھری گفتگو سن کر خود اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔
چترا کی اس خواہش پر امر کو جھجکتا ہوا دیکھ کر زیب برداشت نہ کر سکی۔ اُسے یقین تھا کہ چترا اپنے آخری سانس پورے کر رہی ہے وہ قریب المرگ ہے اس لئے اس وقت اس کی ہر خواہش کا احترام کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ فوراً دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔
قدموں کی آہٹ سنکر امر اور چترا دونوں نے اس کی جانب دیکھا۔
"اوہ تم!" امر کچھ گھبرا سا گیا۔
"ہاں میں!" زیب نے آہستہ سے جواب دیا۔
چترا نے حیرت سے زیب کی جانب دیکھا اور پھر نحیف آواز میں امر سے پوچھا
"یہ کون ہیں ۔۔۔؟"
"یہ زیب ہیں!" امر نے جواب دیا۔ ان کے مجھ پر بے انتہا احسانات ہیں تمہاری جانب سے مایوس ہو کر میں نے ان سے شادی کا وعدہ کر لیا تھا اور آج صبح ہماری شادی ہونے والی تھی کہ تمہارا خط پہنچ گیا اور میں انھیں انتظار میں چھوڑ کر تمہارے پاس چلا آیا۔"
چترا چند لمحوں تک زیب کو دیکھتی رہی پھر مسکرا کر کہا۔

" دلہن بہت خوبصورت ہے۔ تمہیں مبارک ہو" پھر اس نے دیپ کو اپنے قریب بلا کر کہا۔

" بہن میں تمہیں امر جیسا دولہا پانے پر مبارکباد دیتی ہوں اور معافی چاہتی ہوں کہ میں نے تمہارے شادی کے پروگرام میں خلل ڈال دیا بہر حال آج کے بعد امر ہمیشہ کے لئے تمہارا ہے۔ اس لئے اُمید ہے کہ تم مجھے معاف کر دو گی۔ اگر مجھے پہلے یہ علم ہو جاتا کہ آج تم لوگوں کی شادی کا دن ہے تو میں کبھی امر کو نہ بلاتی۔

" نہیں کوئی بات نہیں" دیپ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا شادی تو پھر بھی ہو سکتی ہے"

" بہت بہت شکریہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ امر کی طرح تم بھی فراخدل ہو۔ بھگوان اس جوڑی کو ہمیشہ خوش رکھے"

اب چترا کی حالت پہلے سے کافی خراب ہو چکی تھی۔ اُسے سانس رُک رُک کر آنے لگا تھا۔ اور دل کی حالت بھی پہلے سے بہت زیادہ کمزور ہو گئی تھی۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد چترا نے امر سے کہا۔

" امر۔ میرا دل دھیرے دھیرے بیٹھتا جا رہا تھا۔ اب تو سانس بھی نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے پیروں کی جان نکل چکی ہے۔ کیونکہ اب وہ ہلانے تک نہیں جاتے۔ اور تم نے ابھی تک میری بات کا جواب نہیں دیا"

" اس بات کا جواب میں دیتی ہوں" یکایک دیپ نے کہا اور اس نے بچہ کو اپنی گود میں اُٹھا کر اس کا منہ چومتے ہوئے کہا۔

" اس بچہ کو میں پرورش کروں گی یہ میرا بیٹا ہوگا۔
امر اور چترا نے حیرت سے دیپا کی جانب دیکھا۔
دیپ " امر نے تعجب انگیز لہجہ میں کہا۔
" ہاں امر تم یہ مت خیال کرنا کہ مجھے چترا بہن سے کوئی حسد ہے۔
س بچہ کو میں اور تم ملکر پرورش کریں گے یہ ہمارا مشترکہ بچہ ہوگا۔ خاص طور پر تمہارے لئے تو یہ تسکین کا باعث ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ چترا بہن کی نشانی ہے "
" بہن " چترا نے اکھڑے ہوئے سانس سے بمشکل ایک ایک لفظ ادا کرتے ہوئے کہا " تمہارے اس احسان کا بدلہ صرف بھگوان ہی دے سکتا ہے جس کے پاس میں اب جا رہی ہوں۔ اب میں آرام سے مرسکوں گی۔ اب میری آتما کو شانتی مل جائے گی " اس کے بعد یکایک اس پر کھانسی کا دورہ اٹھا۔ پھر ذرا کھانسی رکی تو اس کا سانس بری طرح اکھڑ گیا۔
" امر " چترا نے بمشکل کہا " میرا دم گھٹ رہا ہے میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔ بھگوان کے لئے مجھے اپنی گود میں لے لو "
امر نے اسے پوری طرح اپنی گود میں آرام سے لٹا لیا۔ اور اس کا سر سہلانے لگا۔ پھر دیپ سے بولا۔
" دیپ ذرا جلدی سے ڈاکٹر کو تو بلا لو "
" نہیں " چترا نے ہاتھ کے اشارے سے دیپ کو روکتے ہوئے کہا
" اب ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں صرف تم مجھے .... اور

فقرہ نامکمل ہی تھا کہ اُسے ایک ہچکی آئی اور اسکی روح پرواز کر گئی
”چترا“ امر کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکلی - اور وہ روتا
چترا کی لاش پہ گر پڑا -

دیپ بھی اپنے آنسو نہ روک سکی -

اس کے ٹھیک ایک ماہ بعد دیپ اور امر کی شادی ہو گئی -
شادی ہونے سے ایک ماہ قبل ہی وہ ایک معصوم بچے کے
باپ بن چکے تھے - ☆

خ

ختم شد